

جامعہ حقانیہ کاترجمان

سائبریا

سرگودھا

# الحقانیہ

مجلد

شمارہ ۵

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مئی ۲۰۰۸ء

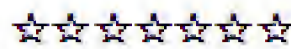
جلد ۳

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالرشک کوثر مدنی قدس سرہ

بانی

## فہرست

3	ابن انور رحمہ اللہ کی رحلت..... مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
6	مفسر قرآن حضرت صوفی عبدالحمید صاحب سواتیؒ..... " " "
8	درس قرآن کریم..... " " "
10	درس حدیث..... شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ مخدوم احمد عثمانی رحمہ اللہ
12	مافوظات حکیم الامت رحمہ اللہ..... از قلم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ
14	اصلاحی مکاتیب..... فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ
16	خشیت الہی کے خواص و آثار..... خلاصہ وعظ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ
21	حیات و خدمات شیخ الاسلام مولانا مخدوم احمد عثمانیؒ.. مولانا ڈاکٹر عبد القبال عاصم قاسمی علیک
29	سرایہ..... حضرت مولانا ڈاکٹر محمد سعید صدیقی لاہور
31	مکالمہ بین المذاہب اور اس کا تصور..... خطاب مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہم
34	احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا مہجہ تحقیقی جائزہ مفتی محمد عبداللہ چیموٹی
37	آداب علم حدیث..... مفتی محمد طاہر مسعود صاحب
39	”خاکوں“ کی خاک..... مولانا سید محمد فہیم ترمذی
43	الاستفتاء..... فقیہ العصر مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ
45	تعارف و تہرہ..... مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم





کلمۃ الحق

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

بسم اللہ تعالیٰ

ایک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی

## ابن انور رحمہ اللہ کی رحلت

احقر کل عصر کے بعد وہاں پچھراں حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ پر حضرت کے نبیرہ جناب سراج دین صاحب مدظلہم سے جو گفتگو تھا کہ لاہور سے فون پر عزیز محترم مولانا محمد بلال اشرف سلمہ نے یہ روح فرساں خبر سنائی کہ حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری آج دہلی میں انتقال فرما گئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خبر سننے ہی طبیعت پر بڑا اثر ہوا، اس اچانک اطلاع سے یقین نہیں آ رہا تھا، اسی کھٹکشی میں خانقاہ مراجیہ کنڈیاں حاضری ہوئی تو وہاں کے حضرات نے بھی اس کی تصدیق کر دی، اب تو سوائے سر تسلیم خم کوئی چارہ نہ تھا۔

بحر العلوم، امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی عمق مابعدہ روزگار شخصیت سے کون ایسا شخص ہے جو واقف نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و فضل کے اعتبار سے جو مقام دیا ہے بلا اختلاف ہر ایک اس کے اعتراف پر مجبور ہے، اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایسی مادر روزگار شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں ان کے معاصرین شیخ الاسلام، محقق العصر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے آپ کے بارہ میں بجا طور پر فرمایا تھا۔ ہم تر العیون مثله ولم یرھو مثل نفسه ولو کان فی سالف الزمان لکان له فی طبقۃ اهل العلم شان عظیم۔

بہر حال حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری اسی عظیم اور بے مثال، ہا کمال ہستی کے لائق و فائق فرزند گرامی اور خلف الرشید تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے عظیم والد گرامی اور مشائخ کرام و اساتذہ کرام کے علوم و فیوض کا حظ وافر عطا فرمایا تھا۔ اپنی خدا داد صلاحیت کی بنیاد پر آپ نے اکابر کے علوم و فیوض کو نہ صرف اپنے اندر جذب فرمایا بلکہ ان کی نشر و اشاعت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، تجزیہ و تقریر دونوں میں آپ کو یکساں مہارت اور ملکہ نامہ حاصل تھا۔ حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے بلند پایہ علوم سے استفادہ ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی، لیکن حضرت مولانا مرحوم کا انداز بیان اور طرز تحریر اس قدر

تکلف اور فصیح و بلیغ ہونا تھا کہ آپ کا مدعا تقریباً ہر ایک کو آسانی سے سمجھ میں آ جاتا تھا۔

دیوبند کے جس نورانی اور ایمانی ماحول میں آپ نے آنکھ کھولی وہاں ہر طرف علم و عمل، شریعت و طریقت کے بہترین نمونے انہیں دیکھنے کو ملے اور انہوں نے اپنی طبعی ذہانت و فطانت کی بنا پر رفتہ رفتہ ان سے بھرپور استفادہ فرمایا اور وہ صحیح معنی میں عالم اسلام کی ایک عظیم علمی شخصیت کے طور پر متعارف ہوئے۔ اس سب کچھ کے باوجود ابن النور ہونے کی نسبت اور شرافت نے آپ کو مزید درمزیہ رفعت اور بلندی عطا فرمادی۔ آپ نے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد دہلوی، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا عبدالحق صاحب بانی دارالعلوم نعید گاہ کبیر والا، سابق مدرس دارالعلوم دیوبند، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہم سے اکتساب فیض کے بعد علوم و فنون کے مرکز عظیم، مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے آغوش ہی میں ایک عرصہ دراز تک اپنے علوم و معارف سے حضرات علماء کرام و طلبہ کو مستفید فرمایا، اور زندگی کے آخری ۲۵ سال دارالعلوم (وقف) میں مسند حدیث پر جلوہ فگن ہو کر طالبان حدیث نبوی کو سیراب فرمایا۔ آپ سے مستفید ہونے والوں کی تعداد یقیناً ہزاروں میں ہے اور ان کے ذریعہ سے آپ کے تلامذہ در تلامذہ کا سلسلہ پوری دنیا میں موجود ہے۔ مدرس و مدرّس، وعظ و تبلیغ کی اہم مصروفیات کے علاوہ تصنیف و تالیف اور تحقیقی میدان میں بھی آپ نے گرانقدر خدمات انجام دی ہیں جن سے استفادہ کا سلسلہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ جاری رہے گا۔

آپ اور آپ کے برادر کبیر حضرت مولانا ازہر شاہ قیصر رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد رحمہ اللہ کی علمی یادگار، خلف صدق اور نعم الخلف لنعم السلف کے مصداق تھے۔

احقر مارچ ۱۹۸۰ء میں جب دیوبند حاضر ہوا تو اس وقت حضرت مولانا رحمہ اللہ کی زیارت ضرور ہوئی ہوگی لیکن وہ احقر کو یاد نہیں ہے، پہلی مرتبہ کی زیارت جو اس وقت تک یاد ہے اس وقت ہوئی جب احقر جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورہ حدیث شریف کا طالب علم تھا اور یہ ۱۴۰۳ھ کی بات ہے۔ حضرت مولانا مرحوم پاکستان تشریف لائے، جامعہ کے منتظمین نے خوشخبری سنائی کہ کل آپ دورہ حدیث شریف کے طلبہ سے خطاب فرمائیں گے۔ اس خبر فرحت اثر سے بہت ہی خوشی ہوئی اور بے چینی سے اس سعید لمحہ کا انتظار ہونے لگا، بفضلہ تعالیٰ حضرت مقررہ وقت پر دارالحدیث میں تشریف لے آئے اور آپ نے مسلم شریف کا درس دیا، اس طرح ہمیں نہ صرف زیارت بلکہ تلمذ کا شرف بھی حاصل ہوا،



حضرت نے کئی روز تک درس دیا اور طلبہ کو اپنی علمی تحقیقات سے خوب مستفید فرمایا، اس طرح ہمیں حضرت انور سے تو نہیں لیکن ابن النور سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا جس پر تمام طلبہ بے حد خوش تھے۔ اس کے بعد بھی حضرت کئی مرتبہ پاکستان تشریف لائے اور ہمیں جامعہ اشرفیہ اور مجلس صیانت المسلمین کے بابرکت اجتماع میں ان کے بیان ذی شان سننے کا موقع ملتا رہا۔ ایک مرتبہ بلاک نمبر اسر کو وہ صلا درسمہ سراج العلوم میں بھی آپ نے بڑا مفصل بیان فرمایا۔ دوسری مرتبہ برادر مکرم جناب حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب زید مجدہم صدر جامعہ اسلامیہ محمودیہ نے پاکستان آنے کی پر خلوص دعوت دی اور ساتھ ہی ساہیوال کا بھی پروگرام بنایا، اسی موقع پر جامعہ خیر المدارس کا سالانہ جلسہ بھی طے ہوا، چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مرحوم دونوں پاکستان تشریف لائے، تین دن جامعہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں شرکت فرمائی اور وہاں سے دارالعلوم عید گاہ کبیر والا ہوتے ہوئے جامعہ حقانیہ ساہیوال کے عظیم تاریخی جلسہ منعقدہ ۱۷ صفر ۱۴۲۶ھ، ۲۸ مارچ ۲۰۰۵ء میں شرکت فرمائی۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس موقع پر جو بیان اور خطاب فرمایا وہ جامعہ کے ماہنامہ مجلہ الحقتانیہ میں بھی شائع کیا گیا، عوام و خواص نے اسے بہت پسند کیا۔ اس موقع پر جامعہ اسلامیہ محمودیہ اور مفتاح العلوم میں بھی آپ نے مفصل خطاب فرمایا اور اہل علم کی درخواست پر آپ نے اپنی خصوصی سند بھی عطا فرمائی۔ فسوس! کہ حضرت مولانا مرحوم سے ہماری یہ آخری ملاقات ہوئی، اس کے بعد بھی اگرچہ آپ پاکستان تشریف لائے لیکن ہماری ملاقات نہ ہو سکی۔

علمی شخصیات اور اصحاب فضل و کمال کی رحلت عظیم سانحہ اور علمی دنیا کا ایک بڑا حادثہ ہے، پادشہب العباد الحون کا مظاہرہ ڈی تیزی سے دیکھنے میں آرہا ہے، جو افسوس ہے اس کا خلا پر ہونا نظر نہیں آتا، بعد ازاں کیلئے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی قدر کریں اور ان کے مشن کو فروغ دینے کی ہر ممکن سعی سے دریغ نہ کریں واللہ الموفق والمعین۔ حضرت مولانا مرحوم کے انتقال سے یقیناً ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ امت کو انکے فیوضات و برکات سے محروم نہ فرمائیں اور ان کی خدمات کو قبول فرمائیں اور درجات عالیہ سے سرفراز فرمائیں، پسماندگان کو خبر جمیل اور اجر جلیل عطا فرمائیں۔ آپ کے فرزند گرامی جناب حضرت مولانا خضر شاہ صاحب زید مجدہم کو اللہ تعالیٰ اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں، ان کو اور ان کے ادارہ کو ان کیلئے بہترین صدقہ جاریہ بنائیں، آمین ثم آمین۔

## مفسر قرآن کریم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ تعالیٰ

کچھ عرصہ سے سننے میں آ رہا تھا کہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی بانی جامعہ نصرۃ العلوم کجرا نوالہ کی صحت زیا وہ خراب ہے اور قومہ کی ہی حالت ہے، اسی وقت سے خیال کیا جا رہا تھا کہ اب صحت مشکل ہے اور یہ چراغ سحر اب بجھنے کو ہے۔ چنانچہ احقر ایک طویل سفر کے بعد مورخہ ۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ، ۶ اپریل ۲۰۰۸ء کو ملتان پہنچا تو کجرا نوالہ سے اطلاع ملی کہ آج صبح آپ انتقال فرما گئے ہیں اور جنازہ رات نو بجے ہوگا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ ترجمان اہل سنت حضرت اقدس شیخ مولانا محمد نواز خان صفدر دامت برکاتہم کے بڑے رفیق، دارالعلوم دیوبند کے فاضل، شیخ العرب والجمہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے تلمیذ رشید و مرید خاص اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کے توسط سے فلسفہ شاد ولی اللہ کے امین بلکہ شارح و ترجمان تھے، اور اس کے ساتھ امام اہل سنت حضرت علامہ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ سے بھی آپ نے روفرق باطلہ بطور خاص روروافض میں بھرپور استفادہ فرمایا تھا۔

فراغت کے بعد آپ کی ساری زندگی علم دین کی خدمت میں گزری، جامعہ نصرۃ العلوم جس کا فیض اس وقت نہ صرف پاکستان بلکہ دوسری دنیا میں بھی ہے آپ کی عظیم علمی یادگار صدقہ جاریہ اور بہترین باقیات صالحات میں سے ہے۔ حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ درس و تدریس، درس قرآن و حدیث میں مہارت کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی ایک خاص ذوق رکھتے تھے۔ تفسیر میں آپ کی بے نظیر تفسیر ”معالم اعراف“ انیس ضخیم جلدوں میں علوم قرآن پر آپ کی وسیع معلومات اور مہارت پر شاہد اور آپ کا زبردست علمی کارنامہ ہے۔ حدیث میں ”درس حدیث“ اور فقہ میں ”نماز مسنون“ بے انتہا مقبول کتابیں ہیں۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار و نظریات پر آپ کی کتاب ”مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار و نظریات“ عرصہ سے شائع ہو چکی ہے۔ حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کا علم بہت پختہ اور قلم بہت شستہ تھا، آپ کی تحریر میں سلاست اور بے ساختگی غالب ہے، گفتگو کا انداز بھی واضح اور غیر مبہم تھا۔ اہتمام کے حوالہ سے طلبہ پر شفقت و عنایت مثالی تھی جس کی وجہ سے طلبہ آپ کے گرویدہ تھے۔ احقر کو اپنے بچپن میں آپ کی جو تصنیف سب سے پہلے پڑھنے کا موقع ملا وہ نماز مسنون خورتھی، بعد میں یہ کتاب ایک ضخیم اور مدلل صورت میں شائع ہوئی۔ ایسا غوجی پر آپ کی شرح بھی طالب علمی کے زمانہ میں پڑھی، اس سے کافی فائدہ ہوا۔ تحفہ امراہیمہ



پر آپ کا مقدمہ بڑا ہی معلومات افزا اور تصوف کی اصطلاحات پر مشتمل ہے۔

احقر محرم الحرام ۱۴۰۶ھ میں جب جامعہ نصرۃ العلوم میں حاضر ہوا اس وقت پہلی مرتبہ آپ کی زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل ہوا، پھر شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ میں دورہ تفسیر کیلئے احقر نصرۃ العلوم میں حاضر ہوا، شعبان المعظم و رمضان المبارک تقریباً دو مہینے وہاں قیام رہا، اس دوران خیال آیا کہ حضرت صوفی صاحب سے حجۃ اللہ البالغہ پڑھ لی جائے، لیکن رمضان المبارک میں آپ کا معمول پڑھانے کا نہ تھا، بعد میں احقر کیلئے بھی پڑھنا مشکل تھا۔ بہر حال درخواست کی تو حضرت نے ازراہ شفقت و عنایت قبول فرمائی اور یوں احقر کو حضرت سے استفادہ کا شرف بھی حاصل ہوا۔ رمضان المبارک ہی میں حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے شاگرد حضرت مولانا چراغ دین صاحب کا انتقال ہوا، احقر بھی جنازہ کیلئے حاضر ہوا، مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب نے جنازہ پڑھایا اور اس میں سورت فاتحہ بھی جہرا پڑھی، شاہ صاحب کا یہ طرز عمل سب نے محسوس کیا، حضرت صوفی صاحب نے احقر سے جنازہ کی تفصیل دریافت فرمائی اور یہ معلوم ہونے پر کہ جنازہ میں سورت فاتحہ جہرا پڑھی گئی بڑے تعجب کا ظہار فرمایا۔ احقر نے افتاء کا کام اگرچہ حضرت والد گرامی قدس سرہ کی نگرانی میں کسی حد تک سیکھا ہوا تھا اور کبھی کبھی فتویٰ لکھنے کی نوبت بھی آ جاتی تھی لیکن زیادہ تر توجہ تدریس کی طرف تھی، حضرت صوفی صاحب نے اس پر تنبیہ فرمائی کہ تدریس کے ساتھ فتاویٰ لکھنے کی مشق ضرور کرنی چاہئے، اس سے فتویٰ سے مناسبت بھی رہے گی اور لکھنے کا طریقہ بھی آئے گا، اور جب یہ سب کچھ اپنے بڑوں کی سرپرستی میں ہو گا تو اس سے فائدہ بھی ہو گا، اس لئے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر فتویٰ کے کام کو اہمیت دینی چاہئے، پھر جب ایک معتد بہ مقدار میں فتاویٰ لکھے جائیں گے تو اس کام میں آسانی ہوگی اور مناسبت بھی پیدا ہو جائے گی۔ احقر کو حضرت کی اس نصیحت و ہدایت سے بڑا فائدہ ہوا اور حق تعالیٰ نے احقر کو اس کا موقع بھی عنایت فرمایا واللہ علیٰ ذلک وجزاہم اللہ تعالیٰ خیرا۔ یہ حضرت کی شفقت تھی کہ اپنی بعض کتابیں نام لکھ کر ارسال فرمائیں، ”مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار و نظریات“ ارسال فرمانے پر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی کا مقالہ جو الفرقان میں شائع ہوا تھا احقر نے اس کی فوٹو کافی آپ کی خدمت میں ارسال کی تو بہت خوشی کا ظہار فرمایا اور دعائیں دیں۔ کچھ عرصہ قبل احقر نصرۃ العلوم زیارت کیلئے حاضر ہوا اور اجازت حدیث کی درخواست کی، آپ نے بڑے بلند الفاظ سے حوصلہ افزائی فرمائی اور اجازت حدیث سے شرف فرمایا۔ حق تعالیٰ درجات بلند فرمائیں اور آپ کے لائق فرزند ان گرامی کو صحیح معنی میں آپ کا جانشین بنائیں، آمین۔ فقط احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

## درس قرآن کریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ ان آیات کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

(۱) خلاصہ یہ ہے کہ منافقین پچھلے جوہ فساد پھیلاتے تھے۔ اول تو خواہشات نفسانیہ میں منہمک تھے اور انقیاد احکام شرعیہ سے کابل اور متنفر تھے۔ دوسرے مسلمانوں اور کافروں دونوں کے پاس آتے جاتے تھے اور اپنی قدر و منزلت بڑھانے کو ہر ایک کی باتیں دوسروں تک پہنچاتے رہتے تھے۔ تیسرے کفار سے نہایت مدارات و مخالفت سے پیش آتے تھے اور اموریں دین کی مخالفت پر کفار پر اصلاً مزاحمت نہ کرتے تھے اور کفار کے اعتراضات و شبہات کو جو دین کی باتوں پر ہوتے تھے مسلمانوں کے رو برو نقل کرتے تھے تاکہ ضعیف الاعتقاد اور ضعیف الفہم احکام شرعیہ میں متردد ہو جائیں۔ اور جب کوئی ان فسادات سے ان کو منع کرنا تو جواب دیتے تھے کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تمام قوم اور ملک مثل زمانہ سابق شری و شکر ہو کر رہیں اور دین جدید کی وجہ سے جو مخالفت بڑھ گئی ہے بالکل جاتی رہے، چنانچہ ہر زمانہ میں دنیا طلب ہوا پرست ایسا ہی کہا کرتے ہیں۔

(۲) یعنی اصلاح تو حقیقت میں یہ ہے کہ دین حق جملہ ادیان پر غالب ہو اور جملہ اغراض و منافع دنیوی سے احکام شرعیہ کی رعایت زیادہ کی جائے اور دہر بارہ دین کسی کی موافقت و مخالفت کی پروا نہ ہو۔ غر خاک برداری، اغیار پاش۔ منافقین بحیلہ مصالحت و مصالحت اندیشی جو کچھ کرتے ہیں وہ حقیقت میں فساد محض ہے مگر ان کو اس کا شعور نہیں۔

(۳) یعنی اپنے دلوں میں یہ کہتے تھے یا آپس میں یا ان ضعیف مسلمین سے جو کسی وجہ سے ان کے رازدار بن رہے تھے۔

(۴) علماء کہا سچے مسلمانوں کو کہ احکام خداوندی پر دل سے ایسے فدا تھے کہ لوگوں کی مخالفت اور اس کے نتائج بد سے اور انقلاب زمانہ کی مضرات کو ان کوں سے اپنا بچاؤ نہ کرتے تھے، بخلاف منافقین کے کہ مسلمان و کفار سب سے ظاہر ہمار کھا تھا اور اغراض نفسانی کے سبب آخرت کا کچھ فکر نہ تھا،



مصلحت بنی اس وجہ غالب تھی کہ ایمان و پابندی احکام شرع کی ضرورت نہ سمجھتے تھے، فقط دنیوی زبانی اور ضروری اعمال بخیر ادا کر لینے پر قناعت تھی۔

(۵) یعنی بیوقوف حقیقت میں منافقین ہی ہیں کہ مصالح و اغراض دنیوی پا در ہوا کی وجہ سے آخرت کا خیال نہ کیا، فانی کو لیمنا اور باقی کو چھوڑنا کس قدر حماقت ہے اور مخلوقات سے ڈرنا کہ جن سے ہزار طرح اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں اور عام الغیوب سے نہ ڈرنا کہ جہاں کسی طرح کوئی امر پیش ہی نہ جائے کتنی جہالت ہے، اور صلح کلی کیسے کہ جس میں احکم الحاکمین اور اس کے مقبول بندوں سے مخالفت کی جاتی ہے، مگر منافقین اس وجہ بیوقوف ہیں کہ ایسی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے۔

(۶) شیاطین (یعنی شریر لوگ) مراد ان سے یا تو وہ کفار ہیں جو اپنے کفر کو سب پر ظاہر کرتے تھے یا وہ منافقین مراد ہیں جو ان میں رئیس سمجھے جاتے تھے۔

(۷) یعنی کفر و اعتقاد دین کے معاملہ میں ہم بالکل تمہارے ساتھ ہیں، تم سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتے۔

(۸) یعنی ظاہری موافقت جو ہم مسلمانوں سے کرتے ہیں اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہم واقع میں ان کے موافق ہیں، ہم تو ان سے تمسخر کرتے ہیں اور ان کی بیوقوفی سب پر ظاہر کرتے ہیں کہ باوجودیکہ ہمارے افعال ہمارے اقوال کے مخالف ہیں مگر وہ اپنی بیوقوفی سے صرف ہماری زبانی باتوں پر ہم کو مسلمان سمجھ کر ہمارے مال اور اولاد پر ہاتھ نہیں ڈالتے اور مال غنیمت میں ہم کو شریک کر لیتے ہیں اور اپنی اولاد سے ہمارا نکاح کر دیتے ہیں۔ ہم ان کے راز کی باتیں اڑا لاتے ہیں اور وہ اس پر بھی ہمارے فریب کو نہیں سمجھتے۔

(۹) چونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو فرما دیا کہ منافقین کے ساتھ مسلمانوں کا معاملہ کرو، ان کے جان و مال سے ہرگز تعرض نہ کرو، اس سے منافقین اپنی حماقت سے سمجھ گئے کہ ایمان لانے سے جو فائدہ مسلمانوں کو ہوا وہ سب فوائد ہم کو بھی صرف زبانی اظہار اسلام سے حاصل ہو گئے، اس وجہ سے بالکل مطمئن ہو گئے حالانکہ انجام کاریہ امر منافقین کو سخت بلا میں پھنسانے والا ہے، اس کا انجام شراب ہے۔ تو اب انصاف کیجئے کہ حقیقت میں تمسخر مسلمانوں کا ہوا یا منافقین کا۔ اور یا تمسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تمسخر کا بدلہ اور سزا ان کو دے گا۔

## درس حدیث

رحمۃ (لقد روي) ترجمہ بہجۃ (لنفوس)

مؤلف: حضرت امام حافظ ابو محمد عبد اللہ بن ابی حمزہ الازدی اللندسی رحمہ اللہ

مترجم: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ

حدیث اَنَّ الدِّينَ يُسْرُ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دین آسان ہے، اور ہرگز کوئی شخص سختی (اور مبالغہ) کے ساتھ دین پر غالب ہونے کا ارادہ نہ کرے گا مگر دین ہی اس کو ہرا دے گا، پس سیدھے چلو، قریب قریب رہو اور خوشخبری حاصل کرو اور صبح و شام کے وقت سے اور کسی قدر رات کے آخری حصہ سے (کام میں) سہارا لو۔

شرح:

دین آسان ہے

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ ”دین آسان ہے“ چند وجوہ کو مختل ہے اور ہر وجہ کے لحاظ سے حدیث کی شرح اخیر تک مختلف ہوگی، پس ہم ہر وجہ پر الگ کلام کریں گے اور ایک وجہ کے موافق حدیث کی شرح پوری کر کے دوسری وجہ پر کلام کریں گے علیٰ ہذا القیاس۔ چنانچہ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور نے جو دین کو آسان فرمایا ہے تو ممکن ہے کہ دین سے ایمان مراد ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسلام مراد ہو، اور ممکن ہے کہ دونوں مراد ہوں۔ ایمان تو تصدیق کا نام ہے (کہ دل سے تو حید و رسالت کو مان لے) اور اسلام انقیاد (اور اطاعت) کا نام ہے (کہ احکام شرعیہ کو بجالائے) اور زیادہ ظاہر یہی ہے کہ دونوں مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالْحُكْمَ قَوْلُوا اسْلَمْنَا اور اس کے بعد فرمایا ہے وَلَسَمَّا بِدَخِلَ الْاِيْمَانِ فِي قُلُوبِكُمْ (کہ جب تک ایمان دل کے اندر نہ ہوا ایمان کا دعویٰ نہ کرو بلکہ اسلام کا اقرار کرو) تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ظاہر (اسلام) کو قبول نہیں فرمایا کیونکہ باطن میں تصدیق نہ تھی۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ السَّمْعَانَ فُقِينَ فِي الْاَكْرَاكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ کہ منافقوں کا ٹھکانا جہنم کا سب سے نیچا طبقہ ہے تو باوجودیکہ منافقین نے ظاہر میں اطاعت کر لی تھی جس کا نام اسلام ہے مگر ان کے پاس ایمان نہ تھا اس لئے



اسلام نے ان کو کچھ نفع نہ دیا، اسی طرح اس کے عکس کو سمجھ لو (کہ ایمان بھی بدوں اسلام کے مایوس نہیں ہوتا) اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسلام اور ایمان آپس میں لازم و ملزوم ہیں تو دین سے یہاں دونوں ہی مراد ہیں۔ اب اس کی ضرورت ہے کہ ان دونوں کی سہولت کو بیان کیا جائے۔ پس ایمان کے آسان ہونے کیلئے جو جاریہ کی مشہور حدیث کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک باندی سے دریافت فرمایا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں، پھر پوچھا اور میں کون ہوں؟ کہا آپ اللہ کے رسول ہیں، اس پر حضور نے اس کے مالک سے فرمایا اس کو آزاد کرو یہ مومنہ ہے تو (دیکھو) حضور نے اس کو اتنی بات پر مومنہ قرار دیا کہ اس نے آپ کے رسول ہونے کا اقرار کر لیا اور اللہ تعالیٰ کو جو داور قاهر و حاکم مان لیا تھا کیونکہ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تھا اور اہل عرب بلندی و رفعت کو اسی طرح ظاہر کیا کرتے ہیں، اور بلندی و رفعت کیلئے قہر و غلبہ لازم ہے (تو آسمان کی طرف اشارہ کر کے اس نے اللہ تعالیٰ کے قاهر و غالب ہونے کا اقرار کیا تھا) اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص مکان میں ہیں جیسا بعض ملحدوں نے سمجھا ہے تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہیں کیونکہ لغت (اور محاورہ) عرب کے موافق حدیث کا کوئی لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا۔ اور اسی حدیث کی بنا پر بعض اہل سنت نے فرمایا ہے کہ جو شخص (اللہ تعالیٰ کی) بعض صفات سے واقف ہو وہ کافر نہیں، اور یہ بات صحیح اور (بہت) صاف ہے، کیونکہ اگر اس قول کو نہ مانا جائے تو عام مسلمانوں کی تکفیر لازم آئے گی اور صحابہ و سلف صالحین کا اجماع ہے کہ ان کا ایمان صحیح ہے، اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لَسَجَنَ امَّةٌ اَقْبَمَ لَا تَقْرَأُ وَلَا تَكْتُبُ ہم ان پڑھا مت ہیں لکھے پڑھے نہیں ہیں (اور جب آپ کی امت ان پڑھ ہے تو وہ ان علوم کی مکلف نہیں ہو سکتی جو پڑھے لکھوں کو بھی دشواری سے حاصل ہوتے ہیں) اور اس کے تحت میں وہ لوگ داخل نہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو اس کیلئے زیبا نہیں (کیونکہ ان پڑھ ہونے کا یہ اثر تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا علم نہ ہو اور یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ ذات باری کی طرف ایسی باتیں منسوب کرنے لگے جو اس کی شایان شان نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت تمام قلوب میں بالخصوص مسلمانوں کے دلوں میں فطرۃً موجود ہے اس لئے جاہل سے جاہل بھی تمام عیوب سے ذات باری کو منزہ سمجھتا ہے) غرض جب ایمان کیلئے اتنی بات کافی ہے (جو حدیث جاریہ میں مذکور ہے) تو بلا شک وہ آسان ہے۔

مرسلہ: محمد صدیق عفا اللہ عنہ

## ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

جمع و ترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ

○ فرمایا کہ مولوی..... صاحب نے ایک دفعہ اپنی ایک حالت بالطنی کے متعلق تردید ظاہر کیا، میں نے جواب میں اطمینان دلایا۔ انہوں نے فرمایا جواب تو صحیح ہے مگر تسلی نہیں ہوئی، میں نے کہا مجھ کو مقصود اپنی تسلی ہے آپ کی تسلی مقصود ہی نہیں، طبیب کو اپنی تسلی مقصود ہوتی ہے نہ کہ مریض کی تسلی کہ وہ اس کے اختیار میں نہیں اور نہ ہی مقصود ہے اور نہ اس کی عدم تسلی مضر ہے، اس سے ان کی تسلی ہوگئی۔

○ فرمایا جس زمانہ میں حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ اور حضرت حافظ ضامن صاحب رحمہ اللہ اور مولانا شیخ محمد صاحب رحمہ اللہ یہاں موجود تھے اس وقت کے مشائخ اس مقام کو دوکان معرفت اور ان حضرات کو اقطاب ثلثہ کہتے تھے۔

○ فرمایا اس زمانہ میں تو معاش کیلئے مباشرت اسباب ہی مصلحت ہے کیونکہ ترک اسباب سے تقدس کا شبہ ہو جاتا ہے اور مباشرت اسباب کی صورت میں اس شبہ سے نجات ہے۔

○ فرمایا کرامت کا درجہ بہ تخریج اکابر مجرذ کر لسانی سے بھی متاثر ہے، چنانچہ ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا افضل ہے کرامت سے کیونکہ وہ سبب ہے قرب کا اور کرامت قرب کا سبب نہیں بلکہ قرب کا مسبب ہے۔

○ فرمایا غائباً اکمال الشیخ "میں جو یہ لکھا ہے کہ "ہر وقت کے کچھ حقوق ہیں وہ دوسرے وقت میں ادا نہیں ہو سکتے" اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے وقت میں اس دوسرے وقت کے حقوق ہیں تو سب کو جمع کیسے کرے گا، البتہ بلا اختیار ان کے فوت ہو جانے پر زیادہ قلق نہ کرے کیونکہ اس قلق کا منشا یہ ہوگا کہ میں ناقص ہوں، سو یہ کامل ہی کب ہو سکتا ہے ہر حال میں ناقص ہی رہے گا۔ مگر ان حقوق سے مراد وہ حقوق ہیں جن کی تحصیل فرض نہیں ورنہ شرعاً ان کی قضا ہوتی۔

○ فرمایا حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کا غالب طرز یہ تھا کہ طالب بیعت سے انکار نہ کرتے تھے بجز ایک صورت کے کہ وہ پہلے کسی کا مرید ہو، ایسے شخص کو بیعت نہ کرتے تھے، اس کا منشا طریق کا ادب ہے۔ اور اس وسعت میں حکمت یہ فرماتے تھے کہ اس سے دو مسلمانوں میں خاص تعلق ہو جاتا



ہے، قیامت میں ان میں سے جو مرحوم ہوگا وہ غیر مرحوم کو پہنچ لے گا اور نفس کا احتمال نہیں کیونکہ حدیث ہے، اَنْ رَحِمْنِي سَبَقَتْ عَلَيَّ غَضَبِي۔ سبحان اللہ۔

○ فرمایا نفس اور شیطان کے گناہ کرانے میں اکثری فرق یہ ہے کہ اگر بار بار ایک ہی گناہ کا تقاضا ہو تو یہ نفس کی جانب سے ہے اور اگر ایک دفعہ ایک گناہ کا تقاضا ہو پھر اس سے رک جانے کے بعد دوسرے کا تو شیطان کی جانب سے ہے، کیونکہ شیطان کو تو مقصود صرف گناہ کرانا ہے چاہے کوئی بھی گناہ ہو اور خود شیطان کو اس میں کوئی حظ نہیں تا کہ کسی معین گناہ پر اصرار ہو، بخلاف نفس کے کہ نفس کو اس میں حظ ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ نفس مہیج ہے شیطان صرف مشورہ دیتا ہے جیسا کہ دعوتہ کم سے پتہ چلتا ہے، اور اس میں بھی اصل داعی نفس ہے کیونکہ شیطان کو بھی اسی نفس ہی نے گمراہ کیا۔

اور فرمایا علاج کلی یہ ہے کہ معاصی میں نفس میں جو تقاضا ہوتا ہے اس تقاضا پر عمل نہ کرے، اصل علاج تو یہ ہے باقی ذکر اس میں معین ہوتا ہے کیونکہ ذکر سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ دیکھ کر فرماتے ہیں، اس دیکھ کر سے سہولت ہو جاتی ہے، یہ صورت ہوتی ہے اعانت کی۔ لیکن خالی ذکر سے کچھ نہیں ہوتا، پھر اس اصل علاج میں شیخ کی ضرورت ہوتی ہے، پھر شیخ کے معاملہ میں طالب کے ذمہ دو چیزیں ضروری ہیں ایک اتباع (یعنی شیخ کا) دوسری اطلاع (یعنی احوال کی)

○ فرمایا لوگ قصیدہ غوثیہ کا بڑا اہتمام کرتے ہیں حالانکہ یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ بڑے پیر صاحب رحمہ اللہ کا ہے بھی یا نہیں، اس کی عبارت اور مضمون تو کچھ دیکھا ہی معلوم ہوتا ہے۔

○ فرمایا مولانا فیض الحسن صاحب سے کسی نے وہابی، بدعتی کے معنی پوچھے، انہوں نے عجیب ترجمہ فرمایا یعنی وہابی کا ترجمہ تو بے ادب با ایمان اور بدعتی کا با ادب بے ایمان۔ اور فرمایا ایک بار ایسے ہی سوال کے جواب میں کہ کہاں کے وہابی کا معنی پوچھتے ہو، کیونکہ حیدر آباد کے وہابی کے معنی اور ہیں اور ہندوستان کے وہابی کے معنی اور ہیں، علیٰ ہذا القیاس بدعتی۔ وجہ یہ کہ عوام کی اصطلاح میں وہابی کا اصل مفہوم ہے رسوم کا مخالف اور رسوم ہر جگہ کی علیحدہ علیحدہ ہیں، ہر جگہ کی رسوم کا مخالف وہاں کا وہابی ہے۔

○ فرمایا اہل علم میں استغناء کی شان ہونا چاہئے کہ اصل ذلت عرض حاجت میں ہے، پچھنے پرانے کپڑوں میں ذلت نہیں۔ اور استغناء میں نیت دین کے اعزاز کی ہونا چاہئے، اس نیت سے ثواب بھی ہوگا اور دنیا داروں کے پاس ملنے بھی نہ جاویں، گے باقی غریب کے پاس جانے میں ذرا ذلت نہیں۔

فقید العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور رزندی قدس سرہ

## اصلاحی مکاتیب

مالکین کے خطوط اور حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ کے جوابات

**حال:** نماز مخصوصاً تسبیح نماز میں عجیب عجیب تشابہ پڑ جاتے ہیں جس سے نماز دوبارہ پڑھنی پڑتی ہے۔  
**ارشاد:** جہاں تک ہو سکے سوچ کر جو یاد آ جائے اسی پر ہنا کر لیا کریں دوبارہ پڑھنے سے پھر یہی عادت ہو جاتی ہے اور شیطان اسی چکر میں لگائے رکھتا ہے بس جو غالب ظن ہو اس پر عمل کر لیا اور اگر غلبہ نہ ہو سکے تو کم پر عمل کر کے سجدہ ہو کر لیا۔

**حال:** خیالات کی اتنی بھر مار ہوتی ہے کہ حضرت جی بیان سے باہر ہے۔

**ارشاد:** ان کا خیال نہ کریں خیالات آتے رہیں پرواہ نہ کریں۔

**حال:** دل میں خیال آتا ہے زندگی ختم ہونے پر ہے بال سعد ہو گئے بڑے بڑے بزرگوں سے بفضلہ تعالیٰ تعلق رہا مگر اب تک تو کتے کی پونچھ کی طرح میڑھی کی میڑھی ہی رہی۔

**ارشاد:** نہیں نہیں، یہ سمجھنا انہی بزرگوں کا فیض ہے۔

**حال:** حضرت جی یہاں ایک صاحب تبلیغی جماعت کے متعلقین سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آج کل بعض علماء کو ذکر رسول ﷺ تو ہے مگر فکر رسول ﷺ نہیں وہ اپنا فکر تو کریں مگر دوسروں کا فکر نہیں ایسے لوگ یہودی عالم کی طرح بستی والوں کے ساتھ عذاب الہی میں تباہ ہوں گے ان حالات میں وہ کہنے والے مجھے بہت بڑے معلوم ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ بول چال کو جی نہیں چاہتا اس لئے کہ وہ اپنے تبلیغی چند اصولوں پر ہی اعتقاد رکھتا ہے باقی اس کے نزدیک کچھ نہیں۔

**ارشاد:** یہ ان کی غلطی ہے نرمی سے سمجھایا جائے۔

**حال:** یہ کوئی میرے لئے روحانی مرض تو نہیں حضرت جی میں تبلیغی جماعت کو بہت اچھا سمجھتا ہوں کیونکہ ان سے عوام کو کافی فائدہ پہنچا ہے مگر افراط تقریط ان میں بہت ہے۔

**ارشاد:** علماء کو اپنی فکر کے ساتھ دوسروں کی فکر بھی ہونی چاہئے اور ہے بھی۔ وعظ و نصیحت اور تعلیم و تزکیہ نفس کا کام محمد اللہ علماء کرتے ہیں اور تبلیغی جماعت بھی یہی کام کرتی ہے البتہ طریقہ جدا جدا ہے



اس میں کوئی حرج نہیں مقصد ایک ہی ہے میری کتاب ”عبوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت“ ادارہ اسلامیات سے لے کر اس کو خوب سمجھ کر پڑھیں اور دوسروں کو بھی اس کی طرف متوجہ کریں۔

حال: نماز میں تصور یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے ہیں اور ان کے سامنے میں اب قیام کی حالت میں ہوں اب رکوع کی حالت میں ہوں اب سجدہ کر رہا ہوں اور یہ سجدہ میرا اللہ تعالیٰ کے پاؤں پر ہو رہا ہے۔  
ارشاد: یہ تصور ٹھیک ہے۔

حال: مگر وساوس پھر بھی درمیان میں کافی آتے رہتے ہیں جس سے اپنے اوپر غصہ بھی آتا ہے اور شرمندگی بھی۔

ارشاد: وساوس کی پرواہ نہ کی جائے یہ شرمندگی بھی تلافی کیلئے کافی ہے۔

حال: جس مکان کو میں نے فروخت کر دیا ہے کرایہ دار اسے خالی نہیں کر رہا یہ ایک پریشانی ہر وقت دل و دماغ پر مسلط رہتی ہے حالانکہ دل کو سمجھانا ہوں کہ سب حالات جو درپیش ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جواز حد مہربان اور شفیق ہیں مگر پریشانی جوں کی توں رہتی ہے کیا یہ کوئی خلاف شرع یا تقویٰ یعنی کے خلاف ہے اور دغا بھی فرمائیں تا کہ یہ پریشانی دل سے دور ہو۔

ارشاد: یہ طبعی پریشانی پریشانی ہے تقویٰ یعنی کے خلاف نہیں ہے دغا بھی کرتا ہوں۔

حال: ایک صاحب جو کہ نیک آدمی ہے نے قرض لیا تھا وعدہ پر ادا نہ کیا اپنی مجبوری کا اظہار کر دیتے ہیں میں نے پڑھا ہے کہ مقروض کو مہلت دینے سے بہت بڑا اجر ہے۔

ارشاد: یقیناً جہلتا ہے۔

حال: اور یہ بھی خیال آتا ہے کہ اتنے دیندار ہونے کے وعدہ غلط کیا۔

ارشاد: شاید پہلے جلدی ادائیگی کی امید ہو پھر عذر پیش آ گیا ہو اس لئے بدگمانی نہ کرنی چاہئے۔

حال: اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔

ارشاد: صبر کرنا چاہئے۔

حال: کیا توہم کے بعد بھی بد اعمالیوں کے متعلق سوال ہوگا مغفرت سے مراد بالکل معافی اور گناہوں پر لکیر مارنے سے مراد یہی ہے کہ سوال نہ ہوگا۔

ارشاد: ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

تلخیص: مولوی سید عبدالملک ترمذی

## خشیت الہی کے خواص و آثار

خلاصہ وعظ حکیم الامتہ مجدد الملت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۝ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝ ان الذین  
یتخشون ربہم بالغیب لہم مغفرة واجر کبیر ۝ واسرؤا قولکم او اجهروا به انہ  
علیم کلمات الضمور ۝ لا یعلم من خلقی وھو الالطیف الخبیر۔

(ترجمہ) بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم  
مقرر ہے، اور تم لوگ خواہ چھپا کر بات کہو یا پکار کر کہو اللہ تعالیٰ کو سب کی خبر ہے کیونکہ وہ دلوں تک کی باتوں  
سے خوب واقف ہیں، بھلا کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ ہا ریک ٹین اور پورا باخبر ہے۔

یہ سورہ ملک کی تین آیتیں ہیں، حق تعالیٰ نے ان میں ایک بہت بڑے عمل کی فضیلت بیان  
فرمائی ہے اور اسی مضمون کی تائید کیلئے کچھ مضامین بڑھائے ہیں، اور وہ عمل ”خشیت“ یعنی اللہ تعالیٰ سے  
ڈرنا ہے اور اس کی فضیلت کی حقیقت اس کے اثر میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے اور وہ اثر یہ ہے کہ  
یہ عمل یعنی خشیت عمل صالح کی کنجی ہے اور عمل صالح دو ہیں طاعات کو اختیار کرنا اور معاصی کو ترک کرنا۔

اور خشیت کے عمل صالح کی کنجی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ طاعت نہ کرنا اور گناہ کرنا اسی وقت  
ہوتا ہے جب خوف خداوندی غالب نہ ہو، غلبہ خوف کے ہوتے ہوئے کوئی بچہ نہیں کہ آدمی کسی طاعت کو  
چھوڑ دے یا کوئی گناہ کرے، اور خوف کسی ماکوار کے احتمال سے ہوتا ہے اور وہ ماکوار چیز ایک سزا ہے  
اور ایک مولیٰ کی ناراضگی، یعنی یا تو یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر میں اس عمل کا ارتکاب کروں گا تو مجھ کو سزا ہوگی  
اور یا یہ ڈر ہوتا ہے کہ میرا آقا مجھ سے ناراض ہو جائے گا، پس اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ خشیت عمل  
صالح کیلئے کنجی ہے، چنانچہ دنیا کے معاملات میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں، محکوم جو حاکم کی مخالفت  
نہیں کرتا، شاگرد جو استاد کی اطاعت کرتا ہے، مرید جو مشائخ سے سرتابی نہیں کرتے ان سب کی وجہ یہی  
دو چیزیں ہیں، اسی طرح خالق تعالیٰ شانہ میں بھی سمجھ لیں چاہئے کہ جب کبھی مخالفت ہوگی یا کسی فرض  
و واجب کا ترک ہوگا اس وقت خدا تعالیٰ کا خوف غالب نہیں ہوگا، افسوس ہے کہ ایک ادنیٰ حاکم جو خدا کے



سامنے کسی درجہ میں بھی نہیں ہے اس کا اتنا خوف اور مالک حقیقی اور احکام الحاکمین کا خوف کچھ نہیں کہ کس دلیری سے اس کی مخالفت کرتے ہو۔

صاحبو! میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کچھ عذاب بھی نہ دیں صرف کھڑا کر کے اتنا پوچھ لیں کہ ارے ظالم! تجھے تو ہمارا اتنا بھی خوف نہیں تھا کہ جتنا اپنے چھوٹوں سے ہوتا ہے تو اس وقت جو ذلت و شرمندگی ہوگی اس کا خوف ہی گناہ سے بچنے کیلئے کافی ہے، کیونکہ ایسے موقع پر آدمی یہ چاہا کرتا ہے کہ بلا سے دوزخ میں چلا جاؤں لیکن یہاں سے مجھ کو خلاصی ہو جائے، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب سب اولین و آخرین قبور سے اٹھائے جائیں گے اور محرمین کو سخت ذلت و پریشانی ہوگی تو آپس میں مشورہ کریں گے کہ یہاں سے خلاصی کی کیا تدبیر کریں، چنانچہ اس پر سب کا اتفاق ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مقبول بندے ہیں ان کی خدمت میں عرض کریں تا کہ وہ ہماری اس بات میں شفاعت کریں، اب تمام لوگ جمع ہو کر آدم علیہ السلام کی خدمت میں آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے آپ شفاعت فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں سے خلاصی دیں وہ فرمائیں گے کہ میرا یہ منصب نہیں ہے اور شجر کے کھانے کا عذر کریں گے، پھر دیگر انبیاء علیہم السلام بھی یہی جواب دیں گے اور اپنے اپنے عذر ذکر کریں گے حتیٰ کہ فخر عالم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں گے اور آپ سب کی شفاعت فرمائیں گے اور یہ شفاعت کبریٰ کہلاتی ہے، اس کے بعد حساب و کتاب شروع ہوگا۔

اس میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ سب مومنین و کافرین جو اس مقام سے خلاصی چاہیں گے اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ اس وقت سب کو یہ گمان ہوگا کہ ہم سب یہاں سے چھوٹ کر بہشت میں چلے جائیں گے اس لئے کہ وہاں حقائق منکشف ہوں گے چنانچہ فرماتے ہیں فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید یعنی ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ غفلت اٹھا دیا سو آج تیری نگاہیں تیز ہے، اور کفار کو معلوم ہوگا کہ ہمیں عذاب ہوگا پھر چھٹکارا پا کر دوزخ میں جانا کیوں کوارا کیا، اس کی وجہ یہی ہے کہ چونکہ وہاں اولین و آخرین جمع ہوں گے ان سب کے سامنے رسوا ہونے سے بچنا چاہیں گے، طبعی بات ہے کہ آدمی رسوائی سے بچنے کیلئے سزا اور تکلیف برداشت کر لیتا ہے اور عام رسوائی میدان قیامت میں ہوگی دوزخ میں نہیں ہوگی، چنانچہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ دوزخ

میں ہر کافر کو ایک صندوق میں بند کر کے الگ الگ آگ میں دفن کر دیا جائے گا پھر وہاں تاریکی بھی ہوگی کوئی ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے گا (اعاذ اللہ منہ)

تو صاحبو! اگر قیامت کے متعلق ہمیں یہ اطمینان بھی دلایا جائے کہ تمہیں دوزخ میں نہیں بھیجیں گے لیکن یہ ضرور پوچھتے رہیں گے کہ مالئ! تو نے یہ کیا کیا کہ جتنا اپنے چھوٹوں سے ڈرا کرتا تھا ہم سے اتنا بھی نہیں ڈرا؟ تو واللہ یہ بھی مرجانے کا مقام ہے تو ثابت ہوا کہ ہمارے تمام امراض کا سبب یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں خوف نہیں ہے اس لئے میں نے اس آیت کو اختیار کیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ بِخَشَوْنِ رَبِّهِمْ اَلْبَاسِ الْعِجْلُ يَعْنِي جُولُوک اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

اب یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بخشون کا تعلق لفظ ربہم سے فرمایا ہے یعنی جولوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور بخشون اللہ نہیں فرمایا یعنی جولوگ اللہ سے ڈرتے ہیں، اس میں تعدیل خوف کی طرف اشارہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ خوف کے اندر دو خاصیتیں ہیں، ایک یہ کہ خوف گناہوں سے روکتا ہے اور یہ خاصیت اس وقت ہوگی جب خوف درجہ اعتدال میں ہوگا، اور دوسری خاصیت یہ ہے کہ خوف طاعت سے بھی روک دیتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب خوف حد سے زیادہ ہو جائے، چنانچہ دنیا کے معاملات میں ہم اس کی بہت سی مثالیں دیکھتے ہیں کہ جب کسی بات کا زیادہ خوف ہوتا ہے تو کام نہیں ہوتا، جیسے کوئی شخص کوئی مضمون لکھ رہا ہو اور کوئی ایسا شخص اس کو دیکھنے لگے جس کو وہ استعداد میں اپنے سے زیادہ سمجھتا ہو تو ہرگز نہ لکھا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ غلبہ خوف کا دوسرا خاصہ یہ ہے کہ آدمی کام سے جاتا رہتا ہے تو اس کی تعدیل کیلئے بچائے اللہ کے ربہم فرمایا، اور یہ تعدیل اس طرح ہوئی کہ آدمی جو کسی سے ڈرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں، ایک تو ایسا ڈرتا ہے جیسے چور کو تو ال سے ڈرتا ہے کہ یہاں تو صرف خوف ہی خوف ہے امید کا نشان ہی نہیں اور دوسری قسم یہ ہے کہ جیسے لڑکا اپنے شفیق باپ سے ڈرتا ہے کہ اس میں خوف کے ساتھ باپ کی شفقت پر اعتماد کر کے معافی کی امید ہوتی ہے، پس اگر ربہم نہ فرماتے تو اللہ کے بعض بندے اس کی شان جلال و قہاریت کا ہر وقت خیال رکھنے کی وجہ سے مارے خوف کے جان ہی دے دیتے، اس لئے ربہم اختیار فرمایا کہ جس ذات سے خوف کی فضیلت بیان ہو رہی ہے وہ تمہارا مربی بھی ہے، تم سے بے تعلق نہیں ہے، وہ کوئی شیر یا



بھیڑ یا نہیں ہے، اے میرے مقبول بندو! تم اس قدر خوف کے اندر مت گھلو، جیسے مجھ میں شان جلال و قہاریت ہے اسی طرح شان ترہیت بھی تو ہے۔ آگے ارشاد ہے واسرؤا قسولکم او اجہروا بہ اذہ علیہم مہذات الصلور یعنی تم اپنی بات کو آہستہ سے کہو یا پکار کر کہو بے شک اللہ تعالیٰ دل کی بات سے واقفیت رکھتے ہیں۔ یہ مضامین تاکید خشیت کیلئے بڑھائے گئے ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا میں قیاس المغائب علی الشاہد کا مادہ فاسدہ بہت پھیلا ہوا ہے، یعنی غائب کو حاضر پر قیاس کرتے ہیں، خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں، چنانچہ ایک بڑھیا نے مجھ سے پوچھا کہ مولوی صاحب تمہیں اللہ میاں کے یہاں کی سب خبر ہے یہ تو بتاؤ کہ اللہ میاں زندہ بھی ہیں، وہ بے وقوف تو یہ سمجھی کہ مدت ہو گئی ہے اب تک کیا زندہ ہوں گے، اپنے اوپر قیاس کیا کہ جس طرح ہم مرد و رزماں سے فنا ہو جاتے ہیں نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ بھی اب تک کیا زندہ ہوں گے، تو غائب کو حاضر پر قیاس کرنا بڑی گمراہی کا باعث ہے، اس لئے خشیت کی فضیلت معلوم کرنے کے بعد ممکن ہے کہ کسی کو خیال ہو کہ میاں ہم ایسی جگہ جا کر گناہ کریں گے کہ کسی کو خبر ہی نہیں ہوگی، اس کے جواب میں ارشاد ہے کہ تم لوگ خواہ مہر کوئی کرد یا زور سے بات کرو ہمیں دلوں تک کی خبر ہے، سبحان اللہ کیا کلام ہے، آگے اس کی دلیل عقلی ہے الا یعلم من خلق کیا وہ ذات نہیں جانتی جس نے پیدا کیا ہے؟ یعنی کیا ہم تمہاری چھپی اور کھلی ہوئی بات سے واقف ہیں؟ ہم نے خود ہی تو سب کو پیدا کیا ہے، اس میں خشیت کی بڑی تاکید ہے کہ ہر حال میں ڈرنا چاہئے، آگے ارشاد ہے وهو اللطیف الخیر وہ باریک بین اور پورے باخبر ہیں، یہ جملہ بھی تاکید خشیت کیلئے ہے، اس لئے کہ نہ ڈرنے کی وجہ ہوتی ہیں ایک یہ کہ جس سے ڈرایا جائے وہ دور ہو، دوسری وجہ یہ ہے کہ جس سے ڈرایا جائے اس کو خبر نہ ہو، تو فرمایا یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ دور ہیں بلکہ بہت قریب ہیں لیکن چونکہ لطیف ہیں اس لئے نظر نہیں آتے اور نہ یہ خیال کیا جائے کہ اس کو خبر نہیں ہے بلکہ وہ پورے باخبر ہیں۔

ان آیات سے خوف کی فضیلت اور اس کا دنیوی و اخروی سعادوں کیلئے کثی ہونا معلوم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خشیت بہت ہی ضروری چیز ہے، اس لئے میں مختصر طور پر ایک دستور العمل طے کرنا ہوں جس پر عمل کرنے سے خشیت پیدا ہوگی، وہ یہ ہے کہ اپنے روزانہ اوقات میں سے آدھ گھنٹہ یا بیس منٹ نکال کر تنہا بیٹھ کر دو چیزوں کو سوچا کرو، پہلے اپنے برے اعمال یا دیکرو اور خدا تعالیٰ نے ان پر جو سزا مقرر فرمائی ہے اس کو سوچا کرو، اور اس کے بعد اپنے نفس سے کہو کہ اے نفس! تو کیوں ہلاک

ہوتا ہے؟ دیکھ تو سہی ان اعمال کی یہ پاداش تجھ کو بھگتنا پڑے گی اور اس کے بعد اپنے مرنے سے لے کر جنت اور جہنم کے داخل ہونے تک جو جو واقعات پیش آنے والے ہیں مثلاً قبر میں جانا، منکر نکیر کا سوال کرنا، حساب و کتاب، صراط وغیرہ سب واقعات تفصیل کے ساتھ سوچو۔ یہ وظیفہ روزانہ کیا کرو، دیکھئے تو سہی کیا شرمہ ہوتا ہے، مگر مشکل تو یہ ہے کہ ہم لوگ کچھ کرتے ہی نہیں، بس یہ چاہتے ہیں کہ کوئی ایسی نظر ڈال دے یا دعا کر دے یا تعویذ دے دے کہ آپ سے آپ سب گناہ بھی چھوٹ جائیں اور عمل بھی خود بخود ہونے لگیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم نے کوشش کی تو دعا کا کیا اثر ہوا؟ بات یہ ہے کہ دو قسم کی چیزیں ہیں ایک وہ جو بالکل ہمارے اختیار میں نہیں ہیں اور بندوں سے ان کا مطالبہ بھی نہیں ہے اور دوسرے وہ کہ ان کے اسباب اختیاری ہیں، پہلی قسم میں تو صرف دعا پر عمل کرنا چاہئے جیسے کوئی آفت سماوی، اس کیلئے دعا کرنا کافی ہے اور جن کے اسباب اختیار میں ہیں ان کے اندر تدبیر کرو لیکن چونکہ تدبیر کا موثر ہونا اختیار سے خارج ہے اس لئے اس کیلئے دعا کرو اور دعا سے اس تدبیر میں برکت ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائیں، آمین۔

### ارشاد شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ

حسن افغانیؒ ایک بزرگ تھے جن کو قرآن پاک کی صرف چند سورتیں یاد تھیں اور کچھ لکھے پڑھتے نہیں تھے، یہ خلیفہ تھے حضرت شیخ بہاؤ الدین ملتانی قدس سرہ کے جو خلیفہ ہیں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کے حسن افغانیؒ امی ہونے کے باوجود قرآن پاک کی آیت اور عربی زبان کے دوسرے کلام میں امتیاز کر لیا کرتے تھے، بیضاوی وغیرہ کی عبارتیں پڑھ کر ان کا امتحان لیا گیا مگر یہ کمال تھا کہ فوراً بتا دیا کرتے تھے کہ یہ کلام اللہ شریف کی آیت ہے، یہ آیت نہیں ہے عربی عبارت ہے۔

اسی طرح شیخ عبدالعزیز دہلوی کا واقعہ تھریز میں مذکور ہے کہ امی ہونے کے باوجود آیات قرآنی کے علاوہ احادیث متقدمہ کو بھی کلام عرب سے ممتاز کر دیا کرتے تھے ان سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ کلام الہی کے ساتھ میں ایک نور پاتا ہوں جو فرش سے عرش تک ہوتا ہے۔



مولانا ڈاکٹر عبید اقبال عاصم قاسمی صاحب

جوان و خرمال

## شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ

محترمہ تعارف مقالہ، ایچ۔ ڈی۔ ۲۰۰۱ء، شعبہ عربی، مسموعہ نورانی، علیگڑھ، اتر پردیش

مولانا ظفر احمد عثمانی علیہ الرحمۃ (۱۳۱۰-۱۳۹۲ھ/۱۸۹۲-۱۹۷۲ء) برصغیر کے ان نامور فضلاء میں تھے جنہوں نے اپنے علمی شہ پاروں سے برصغیر کوئی نہیں بلکہ پوری دنیا کے علم و ادب کو فیضیاب کیا۔ بیسویں صدی میں ایسے ممتاز علماء دین انگلیوں پر شمار کئے جاسکتے ہیں جن میں مولانا ظفر احمد صاحب کو خصوصی مقام حاصل ہے۔

انہوں نے ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور برما کے تشنگان علوم کو صرف کتابی علم کی تقسیم پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ بذات خود ان ممالک میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے کر ہزار ہا تلامذہ تیار کئے جن میں سے بیشتر نے نمایاں علمی کارنامے انجام دیئے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی دیوبند کے محلہ دیوان میں پیدا ہوئے جو ان کے جد امجد دیوان لطف اللہ کا بسایا ہوا ہے اور انہیں کے نام سے منسوب ہے۔ ان کے دادا شیخ نہال احمد دیوبند کے اپنے وقت کے مشہور زمیندار اور دارالعلوم دیوبند کی پہلی شوری کے تاسیسی ارکان میں سے ایک اہم ترین رکن تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی بیشتر عمارتیں انہی کی وقف کردہ زمین پر بنی ہوئی ہیں۔ مولانا کے والد شیخ لطیف احمد نے بھی دارالعلوم دیوبند سے کسب فیض کیا تھا، لیکن وہ عصری علوم خصوصاً انگریزی زبان کے تلمیذ ہونے کے باعث ترک وطن کر کے آگرہ مشن (Mission) اسکول میں فارسی پڑھانے پر متعین ہو گئے تھے جس کی وجہ سے مولانا ظفر احمد صاحب کا بچپن والدہ کی گود میں گزرا اور وہ والد کی تربیت سے محروم رہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ان کے حقیقی ماموں تھے، بھانجے کی تعلیم و تربیت صحیح خطوط پر کرنے کی غرض سے وہ ایام طفلی میں ہی مولانا ظفر احمد صاحب کو اپنے ساتھ تھانہ بھون لے گئے جہاں مولانا کی تعلیم و تربیت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی زیر نگرانی ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں شخصیتوں کے مابین گہرے مراسم قائم ہوئے اور مولانا ظفر احمد عثمانی ”دیوبندی“ کے بجائے ”تھانوی“ مشہور ہوئے۔

ایام طالب علمی کے ابتدائی زمانہ میں ہی یہ محسوس کیا جانے لگا تھا کہ اپنے مخصوص علمی ذوق کے سبب آگے چل کر یہ بچہ علمی دنیا میں نام روشن کرے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مولانا کی شخصیت علمی شخصیت تھی، لیکن انہیں سیاست میں بھی ایک اہم مقام حاصل رہا۔ مسلم لیگ میں ان کی شرکت کے سبب مسلم لیگ کے وقار میں اضافہ ہوا۔ وہ دوقومی نظریہ کے علم برداروں میں سے تھے، اس کیلئے دالم، درم، سخی ہر طرح سے تیار رہے۔ ان کی یہ خدمات تاریخ پاکستان کا اہم باب تصور کی جاتی ہیں، انہیں خدمات کے کسی حد تک اعتراف کے طور پر انہیں تقسیم ملک کے بعد (۱۴ اگست ۱۹۴۷ء) پاکستان کے مشرقی حصہ (موجودہ بنگلہ دیش) کی راجدھانی ڈھاکہ میں سرکاری طور پر رزم پرچم کشائی کا اعزاز حاصل ہوا۔ پاکستان بننے کے بعد وہ اگرچہ سیاسی میدان میں سرگرم عمل نہیں رہے لیکن جب کبھی انہوں نے مذہبی طور پر اپنی ضرورت محسوس کی تو اس میں پیش پیش رہے، چنانچہ پاکستان کو آئینی طور پر اسلامی ملک کا درجہ دئیے جانے کی مانگ سے لے کر قادیانیت کو اسلام مخالف فرقہ قرار دئیے جانے تک جتنی بھی مذہبی سیاسی تحریکات وجود میں آئیں ان میں مولانا نے اہم کردار ادا کیا۔ وہ عرصہ دراز تک جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے صدر رہے جس کی بنا انہوں نے ہی ڈالی تھی۔

علم و فضل کی دنیا میں مولانا کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، انہوں نے ”اعلاء السنن“ کی بیس ضخیم جلدوں کے ذریعہ فقہ وحدیث میں اپنی فنی، علمی مہارت کا ثبوت فراہم کر دیا ہے جس کی نظیر گزشتہ کئی صدیوں میں بہت کم ملتی ہے۔

اگرچہ یہ خدمات فقہ حنفی کو احادیث سے مستحکم و مستدل کرنے پر موقوف ہیں تاہم اس میں مولانا نے جو علمی مباحث اٹھائے ہیں وہ اپنی جگہ گرانقدر اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی اس خدمت کا اعتراف عرب و عجم کے مختلف علمی حلقوں کی جانب سے کیا گیا۔ ایک طرف مصر کے مشہور حنفی عالم شیخ زاہد الکواثری نے اسے سراہا تو دوسری جانب شام کے مشہور عالم و محقق شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے اس کی علمیت سے متاثر ہو کر باقاعدہ برصغیر کا سفر کیا اور یہاں کے علماء کرام سے استفادہ کیا اور بالخصوص مولانا کے سامنے زانوائے تلمذہ کیا، اور پھر اس کے مقدمہ پر مزید حواشی کا اضافہ کرتے ہوئے اسے وقیع علمی تالیف ”تقواعد فی علوم الحدیث“ کے نام سے پیش کیا جو حدیث کے فنی موضوعات پر ایک اہم کتاب ہے، بعد میں پاکستان کے مشہور و معروف عالم دین مولانا محمد تقی عثمانی نے اپنی تحقیقات و تعلیقات سے اس کی



علمی شان کو دوبالا کر دیا۔

مولانا کو جہاں فقہ و حدیث پر عبور حاصل تھا وہیں عربی شعر و ادب سے متعلق بھی ان کا ذوق اعلیٰ تھا۔ آپ کا زیا وہ تر علمی سرمایہ عربی زبان میں ہی ہے، خصوصاً عربی زبان میں آپ کے اعتدائی قصائد، تقاریر اور مرثیہ وغیرہ کافی تعداد میں ہیں جو اس وقت کے علمی جرائد میں یا مختلف کتابچوں کی صورت میں شائع ہوتے رہے، اور اس کا بھی قوی امکان ہے کہ مولانا کی بہت سی شعری تخلیقات مجلات و رسائل کے صفحات میں وہی پڑی ہوں گی۔

اس زاویہ سے اس عبقری شخصیت کا مطالعہ کیا جائے تو یہ ہمیں ”بہشت پہلو“ شخصیت دکھائی دے گی، لیکن افسوس اس کا ہے کہ اس جلیل القدر ذات کی علمی، ملی اور سیاسی خدمات کا جس انداز سے اعتراف ہونا چاہئے تھا وہ نہ ہو سکا، اور آج حالت یہ ہے کہ نئی نسل ان کے تعارف اور خدمات کو قابل اعتناء ہی نہیں سمجھتی۔

میں نے جب تحقیقی مقالہ لکھنے کیلئے مولانا اور ان کے دیگر معاصرین علماء کا مطالعہ کیا تو مجھے مولانا کی شخصیت کئی حیثیتوں سے جاذب نظر معلوم ہوئی جس کی وجہ سے میں نے محض اللہ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے مولانا کی حیات و خدمات کا انتخاب کر لیا۔ کیونکہ ہندوستان میں مولانا کی شخصیت پر تحقیقی مقالہ لکھنے کی اولیت کا شرف مجھے حاصل ہو رہا تھا اسی لئے یہ احساس بھی دامن گیر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مواد کی عدم فراہمی کے باعث موضوع سے دست کش ہونا پڑے، لیکن نصرت الہی پر توکل کرتے ہوئے میں نے اس کام کو اپنے لئے چیلنج سمجھتے ہوئے اس کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا، واقعہ اللہ تعالیٰ کی تائید و حمایت ہر قدم پر شامل حال رہی جس کی وجہ سے یہ طالب علمانہ حقیر کاوش پیش کرنے کے لائق بنی، اس عنایت بے بہا پر بارگاہ ایزدی میں سر ادا سپاس ہوں۔

یہ مقالہ پانچ ابواب کی متعدد فصلوں پر مشتمل ہے۔

پہلا باب جسے ”مقدمۃ الکتاب“ بھی کہا جاسکتا ہے اس میں عرب و ہند کے تعلقات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان و ادب کی ہندوستان میں جب بھی بات کی جائے گی تو لازماً ان حالات و مشاہدات کا مطالعہ کرنا ہوگا جن کے تناظر میں اس قدیم غیر ملکی زبان کو اپنے رشتے استوار کرنے کے مواقع ملے۔

اس لحاظ سے ہم نے پہلے باب میں چھ فصلیں قائم کیں۔ پہلی فصل میں (ما قبل اسلام) عرب قوموں کے ہندوستانیوں سے تعلقات اور باہمی تجارتی رشتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، ہندوستان کے قدیم قبائل رط، تکا کرہ، میدو وغیرہ اسلام کی آمد سے پچھترہ سال پہلے سے عرب ملکوں میں آباد تھے، عرب کے باشندے تجارتی اسباب کی خرید و فروخت کے سلسلے میں ہندوستان آتے جاتے تھے، اسی وجہ سے اس زبان سے باشندگان ہند زمانہ قدیم سے متعارف تھے۔

دوسری فصل مابعد اسلام عرب و ہند کے تعلقات پر مشتمل ہے۔ اس میں ان تاریخی احوال کو پیش کیا گیا ہے جب نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں صحابہ کرام نے دیگر اقوام پر اپنے اثرات مرتب کئے۔ حیات نبوی کے آخری عہد اور خلفائے راشدین کے ابتدائی زمانوں میں مختلف تجارتی و فو و ہندوستان حسب معمول آئے، یہاں کے تجارتی عرب گئے۔ مسلمانوں کے معاملات، اخلاق اور حسن معاشرت نے یہاں کے تاجروں پر مثبت اثرات ڈالے جس کی وجہ سے اسلام کے ہندوستان میں آنے کے دروازے کھلے۔ اس کے علاوہ عربی زبان میں قرآن کریم کے نزول اور خود اس کی تلاوت کے باعث ثواب ہونے کی وجہ سے باشندگان ہند نے عربی زبان و ادب پر خصوصی توجہ مرکوز کی۔

تیسری فصل ”عربی زبان و ادب اور ہندوستان“ میں پہلی صدی ہجری سے ہندوستانیوں کی عربی زبان و ادب کے تئیں دلچسپی، ان کی عربی علوم و فنون میں مہارت اور ہندوستان کے عہد بہ عہد مشہور و معروف شعراء کا نہایت مختصر تعارف کرایا گیا ہے، اور جہاں کہیں ضرورت محسوس کی گئی ان کا نمونہ کلام بھی پیش کر دیا گیا ہے تاکہ شعرائے ہند کی کی جانے والی عربی شاعری کا عہد بہ عہد اندازہ ہو سکے۔ یہ فصل اوچھی عہد تک کے معروف ادباء و شعراء کے اجمالی تذکروں پر مشتمل ہے۔

چوتھی فصل کی ابتداء ”مغل حکمران اور عربی زبان و ادب“ سے ہوتی ہے۔ اس فصل میں مغلیہ سلطنت کے حکمرانوں کی عربی زبان و ادب اور علوم و فنون کے تئیں دلچسپی، اس کے نتیجہ میں ہندوستان میں ان علوم و فنون کی بے پناہ مقبولیت و شہرت اور اس عہد کے عربی زبان و ادب سے متعلق کچھ اہم ہندوستانیوں اور ان کی کوششوں اور کاوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

پانچویں فصل حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (۱۱۶۴-۱۱۷۶ھ) اور ان کے خاندان کی



اس قرآنی زبان سے خصوصی دلچسپی اور اس کی ترویج و اشاعت میں خاندان ولی اللہی اور درس گاہ ولی اللہی کے تلامذہ کی مسلسل کی جانے والی کوششوں کا مختصر ترین تعارف ہے، جو تقریباً ۱۸۵۷ء کی انقلابی کوشش پر آ کر ختم ہوتی ہے۔

چھٹی فصل ”دینی مدارس کی نشاۃ ثانیہ اور عربی زبان و ادب“ میں ۱۸۵۷ء میں ماکام خونی انقلاب کے بعد مسلمانوں کو پیدا شدہ معاشی، معاشرتی و مذہبی مشکلات اور ان کے نتائج میں قائم شدہ دینی مدارس اور ان مدارس کے ذریعہ عربی زبان و ادب سے خصوصی تعلق کا تذکرہ ہے، یہی وہ سبب ہے کہ ماضی قریب میں ان مدارس سے عربی زبان و ادب کے مشہور راہب و شعراء نے جنم لیا جس کی ایک واضح مثال مولانا ظفر احمد عثمانی بھی ہیں۔ اس طریقہ پر پہلا باب چھ فصلوں پر تقسیم ہے۔

دوسرے باب کا تعلق مولانا کے حالات زندگی سے ہے اس باب کی پہلی فصل میں مولانا کے آبائی وطن دیوبند کے سلسلہ میں کچھ تاریخی معلومات فراہم کی گئی ہیں، نیز مولانا کے خاندان کے کچھ مشہور افراد کا مجمل تذکرہ تعارف بھی ہے۔

دوسری فصل میں ”پیدائش اور تعلیم و تربیت“ موضوع بحث ہے اس میں مولانا کی پیدائش، بچپن، تھانہ بھون منتظلی، تعلیم و تربیت، مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے خصوصی تعلق کا تذکرہ ہے۔ اس باب کی تیسری فصل مولانا کی مدرسی مصروفیات سے متعلق ہے، جس میں مولانا کے مختلف مدارس و جامعات میں درس و تدریس اور ان سے فیض یافتگان نمایاں شاگردوں کا ذکر ہے اس میں مولانا کی علمی قابلیت اور تدریسی صلاحیتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

چوتھی فصل ان کی عائلی زندگی پر مشتمل ہے، جس میں ان کی شادی، اولاد و غیرہ کا مختصر سرسری تذکرہ ہے۔ اس باب کو ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے کیونکہ ان کے تفصیلی حالات جاننے کیلئے ”تذکرۃ الظفر“ دستیاب ہے۔ ہماری زیادہ تر کوشش یہ رہی ہے کہ مولانا کی حیات سے متعلق ان کوششوں پر زیادہ روشنی ڈالی جائے جو ان کی عملی زندگی سے متعلق ہیں، اسی وجہ سے ہم نے مولانا کی سیاسی زندگی کو باقاعدہ باب کی شکل دی ہے۔

تیسرے باب کی پہلی فصل میں مولانا کی سیاسی زندگی کے پس منظر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس فصل میں سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کو جن حالات کا شکار ہونا پڑا اور اس

کے نتیجے میں جن مختلف سیاسی جماعتوں کا وجود عمل میں آیا اور پھر ان جماعتوں نے مسلمانوں پر جو اثرات مرتب کئے ان کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے تاکہ ایک علمی شخصیت کے اچانک سیاسی میدان میں کود جانے کی وجوہات کا پتہ لگ سکے۔

دوسری فصل ’مولانا ظفر احمد صاحب کی سیاسی خدمات‘ کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس فصل میں مولانا ظفر احمد صاحب کی ان کوششوں اور کاوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے جو انہوں نے مسلم لیگ کے تین انجام دیں جن کے نتیجے میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا، سلہٹ ریفرنڈم اور لیاقت کاظمی ایکشن کے موقع پر مولانا نے جو جدوجہد کی اس کو بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔

تیسری فصل میں مولانا ظفر احمد عثمانی اور ان کے ہم خیال دیگر علمائے کرام کی قیام پاکستان کے سلسلے میں کی گئی مخلصانہ کوششوں نیز ان کے اس مطالبہ سے اختلاف رکھنے والے علمائے کرام کی اخلاص کے ساتھ کی گئی مخالفانہ مساعی کا اقدانہ جائزہ لیتے ہوئے خصوصی طور پر مولانا کی مثالی کوششوں کا بے لگ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

چوتھی فصل میں مولانا کی ان کوششوں کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے جو انہوں نے پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد موقع بہ موقع انجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا اگرچہ یکسوئی کی زندگی اختیار کر کے اپنے دیرینہ علمی و ادبی فوق کی آبیاری کرتے ہوئے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے تھے لیکن جب کبھی بھی انہوں نے مخالف طبقہ کی طرف سے کی جانے والی لاندہی یا بغاوت کو محسوس کیا تو وہ اس کی مخالفت میں سدرہ بن گئے۔ اس سلسلہ میں مولانا کی خدمات کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

چوتھے باب میں مولانا کی علمی و ادبی خدمات کی وضاحت کی گئی ہے جو تین فصلوں میں منقسم ہے۔ پہلی فصل میں مولانا کے مطبوعہ ان اردو مضامین کا جائزہ لیا گیا ہے جو بحث و مباحثہ پر مشتمل ہیں۔ ان میں سودا، اسلام میں نظام جاگیر داری، شاہ ولی اللہ دہلوی کی حکمت، ہندو پاک میں رہنے والے شوہر بیوی کے درمیان طلاق وغیرہ کے مسائل وہ مضامین ہیں جو اپنے دور میں علماء کرام کے درمیان موضوع بحث بنے رہے۔ چونکہ نئے زمانہ کے ساتھ ان موضوعات کے تین نئے مسائل جنم لے رہے تھے اس لئے ان مسائل سے متعلق علماء نے اپنی اپنی فکر کے مطابق آراء پیش کیے جنہوں نے بحث و مباحثہ کی شکل اختیار کر لی جن کے نتیجے میں بہت سے علمی نکات منظر عام پر آئے۔ مولانا نے ایک عالم دین



ہونے کے بارے میں شرعی حدود اور شرعی تقاضوں کے مد نظر یہ مضامین لکھے۔ اس فصل میں انہیں مضامین کا جائزہ دیا گیا ہے۔

اس باب کی دوسری فصل مولانا کی اردو تصنیفات و تالیفات اور تراجم سے متعلق ہے۔ مولانا نے جب عوامی رہنمائی کی خاطر کسی کتاب کی تصنیف، تالیف یا کسی مفید عربی کتاب کے ترجمہ کی ضرورت محسوس کی تو اسے شبانہ روز کی محنت و کاوش سے عوام کے سامنے پیش کر دیا۔ اس فصل میں انہیں مطبوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

تیسری فصل مولانا کی عربی تصنیفات و تالیفات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس فصل میں مولانا کی عربی مطبوعات خصوصاً فقہ حنفی کی معتبر ترین ذخیرہ احادیث پر مشتمل ان کی مشہور و معروف تالیف ”اعلام السنن“ کا قدرے تفصیلی تعارف ہے، کیونکہ بیرون ہند بالخصوص علمائے عرب کے علمی حلقوں کے درمیان مولانا کے تعارف کا ذریعہ یہی کتاب بنی، جس نے انہیں عالمی شہرت و مقبولیت عطا کی۔ علاوہ ازیں تفسیر، فتاویٰ اور دیگر موضوعات پر مشتمل ان کی دوسری عربی مطبوعات کا بھی تعارف کرایا گیا ہے۔

پانچویں باب میں مولانا کی عربی شاعری پر بحث کی گئی ہے۔ فی الحقیقت یہی باب اس تحقیقی مطالعہ کا مقصد ہے۔ یہ باب پانچ فصلوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلی فصل نعت نبوی پر مشتمل ہے۔ مولانا نے حضور اکرم ﷺ کی محبت سے سرشار ہو کر زبان رسول مقبول ﷺ (عربی) میں نعتیہ قصائد کا نذرانہ عقیدت پیش کیا جو ”لور علی نور“ اور ”وسیلۃ النظر“ کے عنوان سے منظر عام پر آچکے ہیں۔ اول الذکر میں دو قصائد ہیں جبکہ مؤخر الذکر ایک طویل قصیدہ ہے، جن کا اس فصل میں جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز مولانا کے فنی محاسن اور قصائد میں مذکورہ قرآنی تلمیحات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسری فصل مدحیہ قصائد پر مشتمل ہے۔ ان قصائد میں مختلف شخصیات کی خصوصیات کو منظوم کیا گیا ہے۔ ان میں سے جو قصائد ہمیں دستیاب ہو سکے ان کو ضروری تذکروں کے ساتھ اس فصل میں شامل کر دیا گیا ہے۔

تیسری فصل میں وہ مرثیہ پیش کئے گئے ہیں جن میں مولانا نے اپنے اعزاء، احباب اور پیرو مرشد کی وفات پر مختلف اوقات میں اپنے رنج و غم کا اظہار کرنے کی خاطر نظم کئے ہیں۔ یہ مرثیہ بھی

مولانا کی شاعری کا مرتبہ متعین کرنے میں کلیدی حیثیت کے حامل ہیں۔

چوتھی فصل میں وہ تقاریر ہیں جو مولانا نے اپنے متعلقین کی کتابوں کی تعریف و توصیف میں نظم کی ہیں۔

پانچویں فصل میں مولانا کی شاعرانہ خوبیوں کی تحلیل و تجزیہ ہے۔ اصلاً یہ ان کی شاعری کے محاسن و معائب کا ایک طالب علمانہ تنقیدی مطالعہ ہے جسے اس مقالہ کا ثمرہ بھی کہا جاسکتا ہے۔

بہر حال ہم نے اس مقالہ میں مولانا کی علمی خدمات کو ضمناً اور ادبی خدمات کو موضوعاً زیادہ اچاگر کرنے کی کوشش کی ہے جو اس سے قبل ہماری معلومات کے مطابق نہیں کی گئی تھی۔ اس کوشش میں ہم کہاں تک کامیاب رہے اور کہاں تک ناکام؟ اس کا فیصلہ تو قارئین ہی کریں گے۔

ہمیں اس مقالہ کی تیاری میں جن مشکلات سے گزرنا پڑا ان کا تذکرہ بالکل یہ فضول معلوم ہوتا ہے، لیکن سب سے بڑا وقت طلب مسئلہ یہ رہا کہ مولانا سے متعلق علی گڑھ میں مواد دستیاب نہیں ہوا جس کی وجہ سے ہمیں دہلی، دیوبند، سہارنپور، کاندھلہ، تھانہ بھون وغیرہ کے مختلف اداروں اور متفرق ذاتی کتب خانوں میں ورق گردانی کرنی پڑی۔ بسا اوقات یہ بھی ہوا کہ کئی کئی دن کی محنت کے بعد بھی مطلوبہ چیز نہیں مل سکی، تاہم مختلف علمی حلقوں اور علم دوست حضرات کی رہنمائی سے یہ مقالہ تکمیل تک پہنچا جو بہر طور شکریہ کے مستحق ہیں اور جن کیلئے صمیم قلب سے دعاؤں کی سوغات کے علاوہ کچھ بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔

انہر میں ہم اس حقیقت کا اعتراف لازمی تصور کرتے ہیں کہ پیش نظر مقالہ خالصہ طالب علمانہ کوشش ہے، علم و تحقیق کی رو سے اس میں بہت سی خامیاں اور کوتاہیاں نظر آئیں گی، اس لئے ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ اسے اسی نظریہ سے دیکھیں اور جو نقائص نظر آئیں ان کی نشان دہی فرماتے ہوئے حوصلہ افزائی فرمائیں۔

رج گز قبول افتد زہے عز و شرف

عبید اقبال غاصم

ریسرچ سکالر، شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ



حضرت مولانا ڈاکٹر محمد سجاد صدیقی لاہور

## سرایا رسول اکرم ﷺ

نمبر شمار	نام مرتب	تاریخ سن	مقام	مدت اہل	تعداد مجلدین	اہم نکتہ
۱	سینف لہور	دشہائیا اولیٰ ۱۰ھ	سینف لہور (مسند کا کنارہ)	(۱۰ جلد) ۳۰۰ سہائی	۳۰	حضرت عروہ
۲	راغب	شوال ۱۰ھ	راغب	تکریمہ و اہل بیت مع ۳۰۰ سہائی	۸۰۰ و ۶۰	عبد بن امارہ
۳	ضرار	ذی القعدہ ۱۰ھ	ضرار (بہم)		۲۰	سعد بن ابی وقاص
۴	مطلہ	رجب ۲ھ	مطلہ	بہلویہ کا کا قلم	۱۱	عبداللہ بن جحش
۵	عمیر بن عدی	رفاع ۲ھ	عمیر بن عدی		۱	عمیر بن عدی
۶	قرودہ	ہجری ۱۰۳ھ	قرودہ (شیر اعراف)	(۱۰ جلد)	۱۰۰	نہی بن حارثہ
۷	ابن سلمہ مریہ قطن	محرم ۳۲ھ	قطن	ظفر و سلمہ	۱۵۰	(۱۰ جلد) عبداللہ بن عبداللہ
۸	عبداللہ بن انص	محرم ۳۲ھ	ظفر و سلمہ	سلمہ بن بنی	۱	عبداللہ بن انص
۹	عمر بن مہیہ	ربیع الاول ۶ھ	عمر بن مہیہ کے قریب	۲ ہولکاپ	۲	عمر بن مہیہ
۱۰	محمد بن مسلمہ	محرم ۶۰ھ	نجد		۳۰	محمد بن مسلمہ لہاری
۱۱	ذبیح	محرم ۶۰ھ	ذبیح ہشتم	عقلمند و ہزار ۱۰۰۰ سہائی	۶	عالم بن ثابت و مرثدہ الغول
۱۲	شمر	ربیع الاول ۶۰ھ	شمر		۳۰	حکیم بن یحییٰ
۱۳	ذی القعدہ	ربیع الثانی ۶۰ھ	ذی القعدہ	بہلویہ ۱۰۰ سہائی	۳۰	محمد بن مسلمہ
۱۴	جموم	” ”	جموم	بہلویہ		نہی بن حارثہ
۱۵	عمیس	ہجری ۱۰۷ھ	عمیس	کا قلم قریش	۱۷۰	” ”
۱۶	طرف	ہجری ۱۱۱ھ	طرف	بہلویہ	۱۵	” ”
۱۷	حسبی	” ”	حسبی	بہلویہ ۱۰۰ سہائی	۵۰۰	” ”
۱۸	دوی القرئی	رجب ۶۰ھ	دوی القرئی	سکھ کے دوی القرئی	۱۵	” ”
۱۹	ربیع القعدہ	شعبان ۶۰ھ	ربیع القعدہ	قیلہ کا مہینہ بن کب	۷۰۰	عبدالرحمن بن عوف
۲۰	فکرہ	” ”	فکرہ	سعد بن کبر	۱۰۰	حضرت علی
۲۱	ام قرظہ	شعبان ۶۰ھ	ام قرظہ و قوم			ابو کر صدیق
۲۲	ابن رافع	۳ ذی القعدہ ۶۰ھ	ابو الحقیق یہودی کے قتل کیلئے	ابو الحقیق	۵	عبداللہ بن جحش
۲۳	عبداللہ بن رباح	شوال ۶۰ھ	امیر بن رباح ۳۳ سہائی		۳	عبداللہ بن رباح

۲۳	عکلم دہرہ	// //	مظاہرات دہرہ	افراد عکلم دہرہ	۲۰	کرلہ بن چاہلیگری
۲۵	عمر بن الخطاب	شعبان ۷ھ	ترہ	ہوازن	۳۰	عمر بن الخطاب، ابو بکر صدیق
۲۶	ابی بکر صدیق	// //	نجد	ہلکچہ		ابی بکر صدیق
۲۷	مہم	رمضان ۷ھ		اثر مہم		طالب بن عبداللہ
۲۸	خرہ	// //		اثر خرہ		امام حسن علیہ
۲۹	ہومرہ	شوال ۷ھ	فدک	//	۳۰	انور بن سعد انصاری
۳۰	اثر م	ذی الحجہ ۷ھ		بنی سلیم	۵۰	اثر مبن ابی العیاض
۳۱	ککچہ	حضر ۸ھ	ککچہ	ہونو ج	۶۰	طالب بن عبداللہ
۳۲	بنی عامر	ربیع الاول ۸ھ	مئی	ہلکچہ	۲۳	شباب بن وہب
۳۳	ذات الحج	// //	شام دوی اقرنی کے قریب	ہلکچہ	۱۵	ککچہ بن عمر
۳۴	مہم	جمادی الاول ۸ھ	سود (کاکار)	۱۰۰۰۰۰	۳۰۰۰	لیہ بن حارث
۳۵	ذات اسلاصل	جمادی الثانی ۸ھ	ذات اسلاصل	ہلکچہ	۵۰۰+۳۳۰	عمر بن العاص
۳۶	سینہ البحر	ربیع ۸ھ	سینہ البحر (سند کا کنارہ)	قریش	۳۰۰	ابو عیینہ بن افراس
۳۷	مارپ	شعبان ۸ھ	خطرہ	ہلکچہ	۱۵	ابو داؤد انصاری
۳۸	خاند	رمضان ۸ھ	ہلکچہ میں عزیمت شکنی	ہلکچہ	۱	خاند بن ولید
۳۹	عمر بن العاص	// //	ہلکچہ میں سوان کی پست شکنی	ہلکچہ	۱	عمر بن العاص
۴۰	قہیہ	شوال ۸ھ		ہلکچہ	۳۵۰	خاند بن ولید
۴۱	بنی لیم	حضر ۹ھ	سحرا	ہلکچہ	۵۰	مہینہ بن حسن
۴۲	عبداللہ بن عمر	حضر ۹ھ		ہلکچہ بن حارث	۲۰	عبداللہ بن عمر
۴۳	بنی ککچہ	ربیع الاول ۹ھ		ہلکچہ		نہا ک بن سلیمان
۴۴	عبداللہ بن حذافہ	// //	ساحل چوہ	حشمی بکری ڈاکو	۳۰۰	عبداللہ بن حذافہ
۴۵	ہلکچہ	ربیع الثانی ۹ھ		ہلکچہ	۱۵۰	حضر بن علی
۴۶	مظہر بن عمر	// //	مہم	مہم کے قہاں	۲۰۰	مظہر بن عمر
۴۷	نوران	ربیع الثانی جمادی اولیٰ ۹ھ	نوران			خاند بن ولید
۴۸	نہا	رمضان ۱۰ھ	نہا		۳۰۰	حضر بن علی
۴۹	امام حسن علیہ	حضر ۱۱ھ	ہلی	روٹی قہاں		امام حسن علیہ



ضبط و ترتیب: حافظ محمد نعمان حامد

## مکالمہ بین المذاہب اور اس کا تصور (قسط ۲)

مفت ذہاب حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری دامت برکاتہم

بتاریخ ۸ دسمبر ۲۰۰۷ء..... بمقام آواری ٹاورز، کراچی

### مکالمہ بین المذاہب کا مطلب

میں کہتا ہوں کہ ایک تو پیش نظر رہے کہ یہ مذاہب کے درمیان ڈائیلاگ نہیں ہے بلکہ مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان ڈائیلاگ ہے، یہ مکالمہ بین المذاہب نہیں بلکہ بین اہل المذاہب ہے۔ اب میں اس تفصیل میں نہیں جاتا کہ مذاہب میں مکالمے کا کیا مطلب ہے؟ یا بین اہل المذاہب مکالمے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ماشاء اللہ سارے اہل علم ہیں، جانتے ہیں، مختصراً یہ کہ مذاہب کے درمیان مکالمے کی بات یہ ہوگی کہ ہم مذہبوں کو اکٹھا کر لیں، اور مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ ہم پُر امن بقائے باہمی ”جیواور جینے دو“ کے فارمولے پر آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ جس طرح ایک محلے میں، ایک ملک کے لوگ، ایک گاؤں کے لوگ، ایک خاندان کے لوگوں کا کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے، کوئی خطرہ سامنے آ جائے، جھگڑا ہو یا خطرہ ہو تو بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں، جھگڑے کو ختم کرنے، خطرے سے بچنے کیلئے، اس کا مقصد پُر امن بقائے باہمی ”جیواور جینے دو“ ہوتا ہے۔ یہ مطلب ہے مکالمہ بین المذاہب کا اور اس معنی کے اعتبار سے یہ آج کی ضرورت ہے، کس طرح ضرورت ہے؟

### مکالمہ بین المذاہب کی ایک مثال

ماہرے کے شہر اوسلو میں آج سے کئی سال پہلے ہمارا ایک وفد گیا ہوا تھا اور وفد کے دورے کا بنیادی مقصد مدارس کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنا تھا، اتفاق سے اس وقت پاکستان سے دو ہشپ (پادری) بھی اوسلو گئے ہوئے تھے، ایک دفتر میں ان سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی۔ تعارف کے بعد گفتگو شروع ہو گئی، ملاقات اور گفتگو کا پہلے سے نہ تو کوئی پروگرام تھا اور نہ ہی کوئی طے شدہ ایجنڈا، دنیا کے حالات اور پاکستان پر بات ہوتی رہی، دوران گفتگو یہ بات بھی ہوئی کہ ہمارے جو تنازعات ہیں یا مسائل ہیں ان کو گفت و شنید سے حل کرنا چاہئے، سڑکوں پر وہ مسائل حل ہونے والے نہیں، نہ

کرنے چاہئیں۔ مثال کے طور پر ہم نے ان کے سامنے یہ بات رکھی کہ پاکستان میں جو انسدادِ قہرین رسالت کا قانون ہے اس قانون کے خلاف آپ جیسے اور جلوس کرتے ہیں، قراردادیں اور ریپبلشن پاس کرتے ہیں کہ یہ جو قانون ہے اس کو ختم کرنا چاہئے۔ حضور علیہ السلام کی گستاخی پر مزائے موت کا قانون ہے، اس پر آپ کی طرف سے احتجاج اور اس کو ختم کرنے کی آوازیں صدائیں اور قراردادیں منظور ہوتی ہیں، ہم آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کو اس پر کیا اشکال ہوتا ہے، آپ کہتے ہیں کہ پاکستان میں یہ قانون اقلیتوں کو دبانے کیلئے بنایا گیا ہے، ہمیں اتفاق نہیں، یہ قانون آپ کو دبانے، آپ کو اذیت دینے، آپ کو تکلیف دینے، آپ پر جارحیت کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ تکلیف سے بچنے کیلئے ہے، یہ تکلیف دینے کیلئے نہیں بلکہ تکلیف سے بچنے کیلئے ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی کہ یہ قانون صرف نبی کریم ﷺ کی گستاخی پر مزائے موت کا نہیں ہے بلکہ یہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک لاکھ پچیس ہزار نو سو ننانوے نبی اور پیغمبر جو آئے ہیں ہر ایک نبی اور پیغمبر کی عزت کو ہم اپنا ایمان سمجھتے ہیں، کسی ایک نبی کی بھی اگر توہین ہو تو ہم اس کی توہین کو اتنا ہی جرم سمجھتے ہیں جتنا کہ حضور علیہ السلام کی، تو جس طرح گستاخ رسول ﷺ کی مزا قتل ہے، موت ہے، پھانسی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو گستاخی کرے گا اس کیلئے بھی یہی مزا ہے۔ اور تیسرا میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ توہین کی، انسלט کی اجازت دیں گے، کیا دنیا کا کوئی مہذب معاشرہ، قانون اور آئین کسی کی توہین کرنے کی اجازت دیتا ہے؟ عام انسان کی انسלט کی اجازت نہیں دیتا چہ جائیکہ جو ایمان اور عقیدت کا مرکز ہو، اس کی توہین کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔ اور ایسے قوانین دنیا کے اور ملکوں میں بھی ہیں حالانکہ وہ سیکولر ملک کہلاتے ہیں، یورپ کے بعض ملکوں میں بھی ہیں، برطانیہ میں بھی ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین پر ایک شخص کو مزائے موت سنائی گئی ہے، اس لئے کیا آپ کہتے ہیں کہ توہین کا دروازہ کھلا رہے۔ اور یہ فرق بھی ہونا چاہئے کہ توہین اور چیز ہے اور اظہارِ رائے کی آزادی اور چیز ہے، فریڈم آف پیچ، آزادی اظہارِ رائے اور تحریکی آزادی اور چیز ہے اور کسی کی توہین کرنا اور چیز ہے۔ اور آپ بتائیے کہ اگر پاکستان میں توہین رسالت کا قانون بالکل ختم ہو جائے اور کوئی شخص حضور علیہ السلام کی توہین کرے تو کیا وہ زندہ رہے گا، قانون نہ بھی ہو تو کیا مسلمان یہ برداشت کریں گے؟ وہ تو فوراً خودیہ فیصلہ کریں گے۔ اور یہ قانون تو وہ ہے کہ جو غیر مسلموں کو تحفظ دیتا ہے، کہ اگر کسی پر یہ الزام لگا ہے یا اس کے الفاظ کا یہ مطلب نہیں نکلتا تو



وہ عدالت جائے گا، کورٹ جائے گا، بحث ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ ہو، جرم نہ ہو تو قانون اس کو بری کر دے گا، اگر اس قانون کو بنادیں گے تو اور زیادہ نقصان ہوگا، قانون رہنے سے تو فائدہ ہے اور یہ تو بین کاراستہ روکنے کیلئے ہے، اور کیا آپ اس بات پر راضی ہوں گے کہ تو بین کی اجازت دے دی جائے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ بڑی بحث و نتیجہ کے بعد انہوں نے اس بات سے اتفاق کیا کہ ہمیں اس قانون پر کوئی اعتراض نہیں، قانون کے غلط استعمال پر ہمارا اشکال ہے کہ ہوتی ذاتی دشمنی ہے، کاروباری دشمنی ہے وہ جناب اس پر 295/C لگا دیتا ہے کہ اس نے حضور علیہ السلام کی تو بین کی ہے۔ ہم نے انہیں یہ بھی بتایا کہ اس قانون کی زد میں آنے والوں کے خلاف مقدمات کا آپ پاکستان میں مردے کریں تو غیر مسلموں کے خلاف کم ہوں گے اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والوں کے خلاف زیادہ ہوں گے، اس لئے صرف یہ آپ کے خلاف نہیں ہے بلکہ جو بھی تو بین کرے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم تو اس کے خلاف ہے۔

انہوں نے کہا کہ اس کا استعمال غلط ہو رہا ہے، ہم نے کہا آپ اس بات کو مانیں کہ قانون صحیح ہے، جہاں تک غلط استعمال کا تعلق ہے تو ہم اس پر بات چیت کرتے ہیں، کسی بھی قانون کا غلط استعمال اس قانون کو غلط نہیں بنادیتا۔ ہمارے ملک میں دفعہ 302 قتل کا قانون ہے، کیا یہ غلط استعمال نہیں ہوتا؟ کیا اس کی وجہ سے دفعہ 302 کا قانون ختم کر دیا گیا ہے۔ ہم نے تحفظ حقوق نسواں پر بھی مہم چلائی تھی اور کہا تھا کہ یہ قرآن کے خلاف، سنت کے خلاف، عورتوں کے حقوق کے خلاف ہے، جو قانون آپ لارہے ہیں یہ عقل کے بھی خلاف ہے، اور صرف یہ کہتے ہوئے اس کو غلط قرار دینا کہ پولیس والے کہتے ہیں کہ بتاؤ ہم اس کا پرچہ نہا بالجر میں درج کریں یا زنا بالرضا میں، حدود میں لکھیں یا تعزیر میں تو ہم نے کہا کہ پولیس کے غلط استعمال سے قانون کیسے غلط ہو گیا۔ کتنے قانون ہیں کہ پولیس غلط استعمال کرتی ہے، قانون کے غلط استعمال کو روکا جائے قانون کو ختم کرنا یہ کوئی دانشمندی نہیں لہذا آپ اس قانون کو صحیح مانیں البتہ اگر اس کا کہیں غلط استعمال ہے تو اس پر بیٹھ کر بات ہو سکتی ہے، ہم بھی اتفاق کریں گے کہ کسی بھی بے گناہ شخص کے اوپر ایسا الزام لگ جائے تو اس کو برا نہیں ملنی چاہئے تو اس طرح کے ایڈوائز میں اور تنازعات میں بین المذاہب ہم آہنگی کا یہ مطلب ہے کہ جو تنازعات یا خطرات ہیں ان کو بیٹھ کر گفت و شنید سے حل کیا جائے اور اس کا نام ہے ”پرامن بقائے باہمی“، ”محبوب اور حبیبیہ“، ”یہ ہے اس کا مقصد، اس کا مقصد مذاہب کے درمیان اتحاد و ہمت کرنا، نیا مذاہب تیار کرنا، مذاہبوں کے حق ہونے کے سرٹیفکیٹ دینا، اتحاد مذاہب کی بات کرنا یہ بالکل نہیں ہے، جو یہ مطلب لیتا ہے وہ غلط ہے۔ (جاری)

مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

# احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج

## تحقیقی جائزہ (قسط ۵)

احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا پس منظر و منہج

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سیدنا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جو مسائل و احکام بیان فرمائے ہیں وہ قرآن و سنت کے مطابق اور انہی سے ماخوذ و مستنبط ہیں جبکہ اجماع امت اور قیاس کی حجیت بھی اپنی جگہ مسلم ہے، فقہ حنفی میں کتب ظاہر الروایۃ اور مفتی بہ مسائل بھی کتاب و سنت اجماع امت اور قیاس صحیح سے ماخوذ ہیں لیکن ایک طبقہ جو فقہ حنفی سے بلاوجہ مخالفت رکھتا ہے اس کا پروپیگنڈا یہی ہے کہ فقہ حنفی کے مسائل قرآن و سنت کے خلاف ہیں اس پروپیگنڈا سے عوام تو عوام خواص بھی اچھے خاصے متاثر ہو کر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ شاید یہ حقیقت ہے جبکہ یہ محض افتراء اور سراسر جھوٹ ہے، فقہاء احناف نے بہت سی کتابوں میں ان مسائل کے دلائل بھی بیان فرمادیئے ہیں اس کے باوجود غیر مقلدین نے عوام میں یہی تاثر دیا کہ احناف کے مسائل محض عقلی اور قیاسی ہیں قرآن و سنت کے دلائل سے خالی ہیں۔

وقت کے مجدد اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے فقہ حنفی کے مسائل کو حدیث سے ثابت کرنے کیلئے اپنے خواہر زادہ حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو حکم فرمایا انہوں نے بیس سال کی محنت و شاقہ سے ”اعلاء السنن“ کے نام سے زیر دست کتاب اس موضوع پر بیس ضخیم جلدوں میں تیار فرما کر اس امت پر احسان عظیم فرمایا، کتاب الطہارت سے لے کر کتاب الفرائض تک تمام ابواب کی مؤید احادیث کو مع عظیم الشان شرح کے آپ نے اس کتاب میں جمع فرمادیا، یہ نہایت عظیم کارنامہ ہے جو رفتی دنیا تک فقہ حنفی کے مسائل کی تائید کرتا رہے گا۔

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ احکام القرآن کی دوسری منزل کی تکمیل کیلئے میں نے مفتی صاحب سے کہا، واقعہ کچھ یوں ہوا کہ میں حسب معمول جامعہ خفائیہ ساہیوال سرگودھا پہنچا،



میں نے کہا ابھیجا کہ منجائی منگواؤ، حضرت مفتی صاحب یہ خلاف معمول بات سن کر چوکے کہ یہ کس وجہ سے منگوائی جا رہی ہے، بالآخر بیان شروع ہوا پہلے میں نے اپنے والد صاحب کی تیسری و چوتھی منزل کی تکمیل کی روایت دینائی، پھر کہا کہ اب دوسرے مرحلہ کیلئے والد صاحب کی صحت اس قابل نہیں کہ ان سے اس کی تکمیل کی درخواست کروں، میں چاہتا ہوں کہ مفتی صاحب شروع کریں، مفتی صاحب نے کہا کہ مجھ میں اس کی اہلیت نہیں، تو میں نے عرض کیا کہ یہ سوچنا کہ آج مولانا ظفر احمد عثمانی واپس آ کر اس کو مکمل کریں یہ ممکن نہیں، یا حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی لوٹ کر بیعت و ارشاد کا سلسلہ شروع کریں تو یہ بھی ممکن نہیں بلکہ جن کو ان حضرات نے اجازت عطا فرمائی ہے وہ شروع کریں، اسی طرح احکام القرآن کی تکمیل کیلئے وہ بعد والے لوگ ہمت کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی فرمائیں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے والذین جاهدوا فینا لنہدینہم سہلنا۔

یہ کہہ کر میں نے مفتی صاحب کو کہا کہ آپ لکھنا شروع کریں، میں نے یہ کہہ کر کاغذ و قلم حضرت مفتی صاحب کو دیا کہ آپ شروع کریں حضرت مفتی صاحب کی روتے ہوئے ہچکیاں بندھ گئیں، آپ نے بسم اللہ لکھی تو میں نے کاغذ لے لیا اور کہا کہ بس اب شروع ہو گیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی اور احکام القرآن مکمل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے بہت بڑا کام لے لیا۔

مولانا اشرف علی تھانوی مزید فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی کے علوم سے حضرت مفتی صاحب کا کوئی مقابلہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کی قلم سے وہ کچھ لکھوا دیا جسے مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہیں کہا جاسکتا کیونکہ حضرت مفتی صاحب کی تحریر سے حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی کے علوم کی عکاسی ہو رہی ہے۔

یہ گویا ایک الہامی اور تکوینی طور پر ایسے ہونا تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو اعلیٰ درجہ کا ”فقہ عطا فرمایا تھا جس کے ذریعے احکام القرآن کی تکمیل بھی عمل میں آئی۔

حضرت مفتی عبدالقدوس صاحب فرماتے ہیں حضرت والد صاحب قدس سرہ کو اس بات سے بہت ہی خوشی تھی کہ حضرت تھانوی کی خواہش کے مطابق یہ تفسیر مکمل ہوئی اور اس میں انہیں بھی شرکت کی سعادت عطا ہو گئی، اکثر فرماتے کہ ”علامہ عثمانی میرے شیخ اور حضرت کاندھلوی میرے استاذ محترم ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بزرگوں کے علمی کام میں شرکت کی سعادت عطا فرمائی ہے یہ

حضرات اصاغر کا کابر سے ملانے والے ہیں، اللہ کرے کہ آخرت میں بھی ان کے ساتھ الحاق ہو جائے۔  
حضرت والد صاحب نے کمزوری بیماری شدید ضعف اور کثرت مشاغل کبریٰ کے عالم میں  
دن رات محنت فرما کر یہ تفسیر لکھی، یہ حق تعالیٰ کی خاص توفیق اور کرم تھا ورنہ اس عمر میں ایسے علمی تحقیقی کام  
کا کرنا آسان نہ تھا۔

حضرت مفتی اعصر مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم فرماتے ہیں کہ جس ضعف اور جن امراض کے  
ساتھ انھوں نے ایسی محققانہ کتاب لکھی وہ ان کی کرامت سے کم نہیں۔

حضرت تھانوی نے احکام القرآن کی تالیف کیلئے جب علامہ عثمانی کے علاوہ دیگر احباب  
کو بھی اس میں شامل کرنا چاہا تھا تو ان حضرات میں ایک امام مفتی عبدالکریم گمٹھوی کا بھی تھا مگر انہوں  
نے اپنے دیگر مشاغل اور اسباب کے جمع نہ ہوسکنے کی وجہ سے اس سے معذرت کر دی تھی لیکن حق تعالیٰ  
کو منظور تھا کہ اس عظیم کام میں ان کی شمولیت ہو، حضرت تھانوی کی بھی یہی خواہش تھی جس کو اللہ تعالیٰ  
نے اس طرح پورا کیا کہ حضرت والد صاحب سے اتنے بڑے کارنامہ کا تیسرا حصہ مکمل کرا دیا اس طرح  
حضرت تھانوی کی خواہش پوری ہوئی اور ”پدر نہ کند پسر تمام کند“ کا مقولہ بھی صادق ہو گیا۔

تکملہ احکام القرآن جب لکھا گیا تو اس کی خوشی میں آپ نے جامعہ عثمانیہ ساہیوال سرگودھا  
میں جلسہ منعقد کیا جس میں دیگر علماء کرام کے علاوہ تھانہ بھون انڈیا سے مولانا نجم الحسن صاحب نے  
بھی شرکت کی اس وقت آپ کی مسرت اور خوشی دیدنی تھی، آپ بار بار فرماتے کہ ”تھانہ بھون سے  
اس میں مولانا کی شرکت سے مجھے بہت خوشی ہے“ آپ نے اپنے ایک مفصل مضمون میں احکام القرآن  
کا مفصل تعارف کراتے ہوئے اسے تھانہ بھون کا ایک عظیم کارنامہ قرار دیا ہے، آپ کا یہ مضمون احکام  
القرآن کے علمی تعارف کے حوالہ سے بہت جامع اور عمدہ ہے ”ماہنامہ الصیانتہ“ لاہور نے ۱۹۹۳ء میں  
اسے کئی قسطوں میں شائع کیا تھا۔

حضرت مفتی صاحب نے تکملہ احکام القرآن میں بعض مقامات پر اہمیت کے پیش نظر ایک  
ایک عنوان پر مستقل رساں بھی تحریر فرمادیئے ہیں، مثلاً ما اهل لغير الله به اور آیت قرآنی و کنت  
عماہم شہداء امانہ امت فیہم فلما توفیتہن کنت انت الرقیب کی تفسیر میں آپ نے  
پورا ایک رسالہ لکھ دیا ہے، اسی طرح اور بھی بعض مقامات پر کافی تفصیلی کام فرمایا ہے۔



مرسلہ مولانا محبوب احمد سرگودھا

## آداب علم حدیث

از حضرت مولانا مفتی محمد طاہر مسعود صاحب مدظلہم مہتمم جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا

- (۱) خلاص نیت۔ (۲) پابندی درس، پابندی وقت۔ (۳) صف بندی مکمل ہو، حصول برکت میں اس کا بڑا دخل ہے۔ (۴) سبق میں سونے سے پرہیز کرے۔ (۵) غیر حاضری نہ کرے۔
- (۶) کتاب پر ٹیک نہ لگائی جائے۔ (۷) حدیث پڑھتے ہوئے اس انداز سے نہ بیٹھے جس سے درس حدیث کی بے ادبی معلوم ہو۔ (۸) کسی امام پر تنقید نہ کی جائے، دل میں کسی امام، محدث کے بارے میں تکدر نہ آئے اور نہ زبان سے ایسی کوئی بات کرے۔ (۹) اساتذہ کا ادب کرے۔ استاد کا ادب ایک عجیب چیز ہے، حصول علم اور فیض منتقل ہونے کیلئے استاد کا ادب ضروری ہے، خاص کر حدیث کے اساتذہ کا ادب بہت ہی ضروری ہے۔ ادب کہتے ہیں کہ استاد کی عظمت دل میں موجود ہو اور اس کی عدم موجودگی میں بھی کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے استاد کو تکلیف ہو، اساتذہ کی غیب جوئی سے مکمل پرہیز کرے۔ جو شخص اپنے اساتذہ کا احترام نہیں کرتا وہ اپنے شاگردوں سے احترام کی توقع نہ رکھے۔
- (۱۰) کتاب کا ادب کرے۔ کتاب کے ادب میں یہ بھی داخل ہے کہ کتب رکھنے میں ترتیب کا لحاظ رکھے اور بلا ضرورت کتاب کھلی نہ رکھے۔ (۱۱) آلات علم کا ادب، یعنی استاد اور کتاب کے علاوہ دیگر ذرائع علم مثلاً درس گاہ، تپائی، قلم اور کاغذ کا ادب بھی ضروری ہے۔ (۱۲) درود پاک کثرت سے پڑھے۔
- (۱۳) با وضو رہنا۔ اکثر اوقات با وضو رہنے کی کوشش کرے۔ (۱۴) مجلس حدیث میں آنے سے قبل خوشبو استعمال کرے۔ (۱۵) مجلس حدیث میں صاف لباس پہن کر آئے، ہونٹوں کو سفید لباس استعمال کرے۔ (۱۶) درس میں اونچی آواز سے نہ بولے۔ (۱۷) مناسب تعظیمی القاب ذکر کرے، مثلاً جب باری تعالیٰ کے اسماء میں سے کوئی نام آئے تو جل جلالہ، اور آپ علیہ السلام کے اسماء میں سے کوئی اسم مبارک لیا جائے یا آپ ﷺ کی طرف منسوب کوئی لفظ ذکر کیا جائے تو درود پاک پڑھے، کسی صحابی کا نام آئے رضی اللہ عنہ اور صحابیہ کے نام آئے پر رضی اللہ عنہا اور تابعین یا دیگر ائمہ محدثین میں سے کسی کا نام آئے تو رحمہ اللہ کہے۔ (۱۸) اپنی ساری توانائی اور محنت حدیث پاک پر خرچ کرے، لیکن صرف

محنت پر بھروسہ نہ کرے بلکہ دعا کا بھی اہتمام کرے، اپنے اساتذہ اور بڑوں سے بھی دعا کرائے۔  
 (۱۹) مہادی علوم پڑھنے کے بعد حدیث شروع کرے۔ (۲۰) حدیث پڑھنے کے ساتھ ساتھ عمل کی بھی  
 نیت رکھے اور یہی علم ہے جو قابل عمل ہے۔ (۲۱) احادیث پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کو یاد کرنے کا بھی  
 التزام کرے، کم از کم چالیس احادیث یاد کرے۔ (۲۲) حدیث پڑھنے والا شکر کاء سے حسن معاملہ رکھے۔  
 (۲۳) زیارت نبوی ﷺ کے حصول کی کوشش کرے یعنی معاصی سے بچتے ہوئے اعمال صالحہ اختیار  
 کرے اور درود پاک کی کثرت کرے۔ (۲۴) حدیث پڑھنے کے ساتھ تدریس کا ارادہ رکھے۔  
 (۲۵) تبلیغ کا جذبہ اور نیت دل میں رکھے۔ (۲۶) تعلیم میں یا تبلیغ میں عاریا تکبر نہ کرے، علم تکبر اور شرم  
 سے نہ آتا ہے نہ پھیلتا ہے۔ (۲۷) حدیث پڑھنے سے قبل اس کی عبارت خوب درست کرے۔  
 بحمد اللہ مہادیات صحیح بخاری کی دو باتیں جو کہ مضمون تھیں کئی باتوں کو مکمل ہوئیں۔ حق تعالیٰ  
 شانہ اس سچی کو قبول فرمائے اور اسے ہم سب کیلئے مافع بنائے اور اس میں ہونے والی تقصیرات سے  
 درگزر فرمائے۔ (آمین)

۲۲ روزیقہ ۱۴۲۷ھ لیلاۃ الخمیس میں مکمل ہوئی۔

### ایک ضروری وضاحت

ماہنامہ المحتانیہ کے گزشتہ شمارہ ربیع الثانی کے صفحہ ۳۹ پر پروفیسر ایم۔ اے۔ عثمانی صاحب کے  
 مضمون میں سوئم کی فاقہ اور جہلم کا ذکر سوانحی مضمون کے ضمن میں شائع ہو گیا ہے، بہت سے  
 حضرات نے اس کی طرف توجہ دلائی ہم ان کے شکریہ کے ساتھ یہ وضاحت ضروری سمجھتے  
 ہیں کہ اس سے سوئم و جہلم کے جواز پر استدلال نہ کیا جائے، اس کو محض ایک حکایت واقعہ  
 سمجھا جائے۔ (ادارہ)



مولانا سید محمد فہیم ترمذی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## ”خاکوں“ کی خاک

یورپ کے اخبارات میں شائع ہونے والے گستاخانہ خاکے اہل کفر کی اسی پراگندہ فکر، غلاظت میں لتھڑی ہوئی سوچ اور پست ذہنیت کے غماز ہیں کہ جن عناصر سے اس بدنصیب قوم کا خمیر اٹھایا گیا۔ دراصل یہ ان کا وہی بحث باطن ہے جو انہیں وقتاً فوقتاً اسلام دشمنی پر برا بیچتے کرتا اور بزم خویش پیغمبر اسلام ﷺ کی کردار کشی پر ابھارتا رہتا ہے، اور یہ اپنے باطن کی تمام تر خباثتیں و غلاظتیں نکجا کر کے اور اطراف عالم میں پھیلی ہوئی ہمدانوار کی بد تہذیبی و ناشائستگی سمیت کرکھی کسی قسمت کے مارے اخبار میں گستاخانہ خاکے شائع کرتے اور کبھی حقیقت کے برعکس کسی فلم میں اسلام کی روشن و آفاقی اور تمام شعبہ ہائے زندگی پر محیط تعلیمات کو دھندلانے اور کفر کے بد نما و بد شکل چہرے کو نمایاں و پرکشش دکھانے کی ناپاک جہالت کرتے رہتے ہیں۔ یہ کیسے سوختہ سماں و تیرہ بخت لوگ ہیں کہ اس ذات مقدس ﷺ کو نیچا دکھانے کی سعی میں ہیں جو مخلوق میں ہر صاحب رفعت سے زیادہ بلند، ہر عزت والے سے زیادہ باعزت اور ہر صاحب وقار سے بڑھ کر باوقار ہے، جس کی امت میں ہونے کے انبیاء، سابقین علیہم السلام آرزو مند رہے، جس کیلئے بزم کون و مکان آراستہ کی گئی، خیر و شر کے پیمانے وضع کئے گئے، نیکی و بدی میں امتیاز بخشا گیا، مادیت و روحانیت کی تعریفات مقرر کی گئیں، بلندی و پستی کے اصل معیار بتلائے گئے، زندگی کو ایک مقصد عطا کیا گیا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس کی شفاعت و رحمت کے بغیر فردوس میں داخلہ تو کجا جنت کی ہوا بھی میسر نہ آ سکے گی۔

مگر یہ تہذیب و اخلاق کے ادنیٰ قرینوں سے مابلداور بغض و عناد کی اتھاہ گہرائیوں میں بسنے والے ننگ انسانیت کیا جانیں کہ انسانیت کو ظلم و جہالت اور وحشت و بربریت کی پاتال سے نکال کر علم و عرفان اور شعور و آگہی کی معراج تک پہنچانے والی، ہستی کن ارفع مقاصد و اجل تعلیمات کی پیامبر اور کن روشن راستوں کی راہنما تھی۔ اس تعفن زدہ قوم کو کیا معلوم کہ اپنے کردار و عمل اور قول و فعل سے شش جہات عالم میں خوشبوئیں بکھیرنے والی ذات کا دامن رحمت کن کن گہائے رنگارنگ سے لہریز تھا۔ اس تعصب کے مارے قبیلے کو کیا خبر کہ ساری دنیا کو یکا نگت و وحدانیت کا درس دینے، تفریق رنگ و نسل

مٹانے اور امتیاز عرب و عجم کی خلیج پانے والے نبی آخر الزماں ﷺ کس بلند درجہ کے وسیع الظرف، کس پائے کے داعی اتحاد و اتفاق اور اپنی ذات میں کس قدر اپنائیت و انس رکھتے تھے۔ ان جہلائے مطلقہ کو کیا پتہ کہ تینیس سال کی مختصر مدت میں ہر طرح کے ماساعد حالات اور عالم اسباب میں کسمپرسی کے باوجود تنہا محض اپنی پیغمبرانہ اولوالعزمی و استقامت کے بل بوتے پر چہار دانگ عالم میں انقلاب عظیم پکڑ دینے والی ہستی کن قاندا نہ صلاحیتوں اور معجزانہ اداؤں کی حامل تھی۔ یہ ماقدر شناس نبوت و احسان فراموش رسالت گروہ کیا جانے کہ موجودات کا ذرہ ذرہ اپنی ساری زندگی ایسا رومروت اور غفود و درگزر کی نذر کر دینے والے محمد رسول اللہ ﷺ کے بے پایاں احسانات و لامتناہی انعامات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ اتنی سی بات تو ہر ذی شعور شخص بلا امتیاز مسلم و غیر مسلم سمجھتا ہے کہ ان اوچھے ہتھکنڈوں، مکروہ اقدامات اور ناپاک و قاتل نفرت جساتوں کے ذریعے اس ذات بابرکات کی رفعت، عظمت، شان، مرتبہ اور وقار میں ہر مو بھی کمی نہ آئے گی کہ جس کے ذکر خیر کی بلندی کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سب سے سچی کتاب قرآن کریم میں ان الفاظ کے ساتھ فرمایا اور فعنالك ذکرک (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ (ﷺ) کیلئے آپ (ﷺ) کے ذکر کو بلند فرمادیا۔ ذرا آپ سوچئے! کیا چکا دوزوں کے ملامت کرنے سے سورج کا نور دھندلا جاتا ہے؟ کیا کتوں کے بھونکنے سے چاند کی چمک ماند پڑ جاتی ہے؟ کیا مشک و عنبر کی مہک کسی سند کی مرہون منت ہوتی ہے؟ کیا صبح خوش جمال کا سحر انگیز نظارہ کسی شب پرست مایینا کی مذمت سے سنو لا جاتا ہے؟ کیا نصف النہار پر چمکتا خورشید کسی دہل کا محتاج ہوتا ہے؟ کیا حوض کے گدلے پانی کے مینڈک دریا کی روانی و گہرائی سے آشنا ہو سکتے ہیں؟ کیا کرگس و گدھ ایسے حقیر پرندے، پرندوں کے درویش شاہین کی راہ گزر کے شناسا ہو سکتے ہیں؟ کیا کسی بھنگی کی تنقید سے فرما زوائے سلطنت کی بادشاہت کا سورج افق مغرب سے جاگتا ہے؟ کیا ہر سوکرنیں بکھیرنا سورج انگلی کی اوٹ میں چھپ سکتا ہے؟ کیا چاند پر تھوکنے والا اپنا ہی منہ بھرنے کے سوا اسے کچھ نقصان پہنچا سکتا ہے؟

اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو پھر یہودی نصاریٰ اور دیگر کفریہ طاقتوں کے ان مکروہ اقدامات کے پیچھے کیا سازش کا فرما ہے؟ کیا انہیں ہمارے ایمان و عشق رسول اللہ ﷺ کا امتحان مقصود ہے؟ کیا وہ ہمیں آزما نا چاہتے ہیں؟ کیا انہیں ہماری درخشاں تاریخ سے کچھ علاؤ نہیں؟ کیا وہ ہمیشی اور رومی کی عزم و استقامت سے نا بلند ہیں؟ کیا وہ سمید و پامر کی قربانیوں سے بے بہرہ ہیں؟ کیا ان کے سامنے تخت



قیصر و تاج کسریٰ کی تاراجی کی داستان نہیں؟ کیا وہ قلعہ خیبر کے لرزتے درود پوار بھول چکے ہیں؟ کیا وہ خالد و ضرار کی شجاعت سے نا آشنا ہیں؟ کیا انہیں دریائوں میں گھوڑے دوڑانے اور صحراؤں میں سفینے چلانے والے یاد نہیں رہے؟ کیا انہیں آج بھی کشتیاں جلا دینے والے عظیم سپہ سالار طارق بن زیاد کے تاریخ ساز جملے فاہن المغفر؟ البحر ورائکم والعادو امامکم کی بازگشت سنائی نہیں دے رہی؟ کیا وہ ایوبی و ابن قاسم کی معرکہ آرائی سے واقف نہیں؟ وہ یقیناً یہ سب جانتے ہیں بلکہ اس سے بھی بہت کچھ زیادہ، لیکن انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اب مسلمانوں میں وہ پہلا سادہ دم خم نہیں رہا۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اب ہم اپنے اسلاف کی عزم و ہمت کے قصائد پڑھنے کے سوا اور کچھ نہیں کر رہے۔ وہ یہ بھی جان چکے ہیں کہ اب عملاً مسلمان اقبال کے اس شعر کی تصویر بن چکے ہیں۔

تھے تو آباء و تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو؟ ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

عالمی انسانی حقوق کے نام نہاد علمبرداروں سے تو خیر شکوہ ہی کیا؟ لیکن کیا اس فتنہ انگیز شر کی پشت پناہی کرنے والوں کو اس سارے معاملے میں ”لو آئی سی“ کا شرمناک کردار دکھائی نہیں دے رہا؟ کیا انہیں نظر نہیں آ رہا کہ مسلم امہ کے حکمران تیل کا ہتھیار استعمال کرنے اور یورپ کے بینکوں سے اپنے سرمایہ نکالنے کے بجائے غفلت و بے بسی کی تصویر بنے رہی سے احتجاج کے سوا کچھ بھی نہیں کر پا رہے؟ کیا انہیں بھجائی نہیں دے رہا کہ مسلمان عوام یورپین مصنوعات کے بائیکاٹ اور ان کی تہذیب و ثقافت کو خیر باد کہنے کی بجائے اپنی ہی املاک مندر آتش کر رہے اور اپنی ہی معیشت کو نقصان پہنچا رہے ہیں؟ یقیناً ہماری اور ہمارے حکمرانوں کی یہی معاملہ ما شناسی و بے تدبیری ان عالمی غنڈوں کو شہ دے رہی ہے اور وہ وقتاً فوقتاً اپنی جھوٹی اما کی تسکین اور اپنے حبث باطن کی طمأنینیت کیلئے ہمارے حساس جذبات مجروح کرتے رہتے ہیں۔ ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بحیثیت افراد و بطور قوم اپنی پالیسیوں کا ازمنہ نو جائزہ لیں اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے انہیں روبہ عمل لا کر اہل یورپ اور ان کے پشت پناہوں کو ان کے پراپیگنڈے کا منہ توڑ جواب دیں تاکہ انہیں آئندہ ایسی نخوس جسامت ہمارے سوچنے کی بھی ہمت نہ ہو۔

ہم اس مؤقر جریدہ کی ان ٹیش قیمت بھڑکی وساطت سے تمام مسلم حکمرانوں بالخصوص پاکستان کی دو تہائی اکثریت کی حامل نئی حکومت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ آزادی اظہار کی آڑ میں کفریہ

طاقتوں کی اس عالمی بد معاشی کے خلاف انٹرنیشنل لیول پر شدید ترین احتجاج ریکارڈ کرایا جائے۔ اس سازش میں ملوث تمام ممالک کے سفراء کو فی الفور مسلمان ملکوں سے ملک بدر کیا جائے اور حکومتی سطح پر بھی ان ممالک کی مصنوعات کی برآمدات پر پابندی عائد کرتے ہوئے ان کا معاشی بائیکاٹ کیا جائے۔ علاوہ ازیں تیل کی دولت کو بھٹو رتھیا راستہ استعمال کرتے ہوئے یورپ کو اس کی ترسیل بند کی جائے اور مسلمان تاجروں کا یورپ کے بینکوں میں جمع شدہ سرمایہ (جسے وہ ہمارے ہی خلاف استعمال کر رہے ہیں) مسلم ممالک کے بینکوں میں منتقل کیا جائے تاکہ یورپ کی رواں دواں معیشت کا پیہہ الٹا گھومنے لگے اور مسلمان ممالک کی معیشت مضبوط بنیادوں پر استوار ہو سکے۔ علماء و خطباء کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے غظوں کے ذریعے عوام الناس کو اس مکروہ سازش کے پس منظر و مقاصد سے آگاہ کریں اور مسلم امہ میں اس چیلنج سے صحیح طور پر نہر داڑما ہونے کا شعور اجاگر کریں کہ مسلمانوں کی زندگی کا اصل مقصد ہی اپنے رسول ﷺ کی حرمت پر کٹ مرنا ہے۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ میسر ب کی حرمت پر خدا شاہد ہے کامل میرا ۱۱ یاں ہونہیں سکتا  
آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں“ مگر ہم اپنے نبی کریم ﷺ کی (نعوذ باللہ) گستاخی پر بھی ہوش میں نہ آئے تو پھر عماری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔  
چمکا دڑوں کی ٹوک سے سورج کو کیا ضرر  
اندھا ہزار کہتا رہے دن کو ”رات ہے“  
کیا مان لے گا اس کی جو ہے صاحب نظر  
خوشبوئے مشک خود ہے سدا اپنے مشک کی  
کر گس کے علم میں کہاں شاہیں کی رہگذر  
خود اپنے منہ پہ آتا ہے تھو کے جو چاند پر  
گلشن کے مزے کی گدھے کو ہے کیا خبر؟  
دنیا کے سب خبیث بھی سبجان ہوں اگر  
”خاکوں“ کی خاک اڑتی رہے گی مگر نگر



امداد المسائل فی الاحکام والمسائل

فقہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور رزوی قدس سرہ

## الاستفتاء

### تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت

سوال موجودہ طرز کی تبلیغی صورت کے متعلق تھا، اس میں یہ بھی تھا کہ تبلیغی سفر میں تبلیغ والے بیت اللہ سے بھی زیادہ اہم بتلاتے ہیں، کیا یہ اہم طلب علم وغیرہ میں بھی ہے یا صرف اس طرز کی تبلیغ میں ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

### الجواب

موجودہ طرز پر تبلیغ عوام کے لئے مفید اور نافع ہے، مگر اس میں غلو اور تشدد کسی طرح مناسب نہیں، تبلیغ ایک اس مروجہ صورت میں منحصر نہیں ہے جس طرح بھی ہو تبلیغ مقصود ہے، اور اس کا یہی موجودہ طرز خاص مقصود نہیں۔ اگر کسی کو تجربہ ہے اس وقت یہ طرز خاص نافع معلوم ہو اور اس پر عمل کرے تو کچھ حرج نہیں، کیونکہ جو اصل تبلیغ ضروری ہے یہ طرز خاص بھی اسی کی ایک جزئی اور اس کا ایک فرد ہے اور اگر کسی دوسرے طریق پر اصلاح عوام میں مشغول ہو تو بھی تبلیغ کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، کسی طرح اس پر ملامت و طعن مناسب نہیں۔ تبلیغ کو اسی ایک طرز خاص میں منحصر سمجھ لیں غلط اور حد سے تجاوز ہے جو کہ قابل اصلاح ہے، زمانہ کے حالات کے مطابق اگر کسی بزرگ نے تبلیغ کے مفہوم کلی کے ادا کرنے کی ایک خاص صورت تجویز فرمائی ہو جو کہ فی حد ذاتہ مستحسن ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تبلیغ کے دوسرے طریقے جو اس خاص طریقہ سے پہلے مروج تھے سب ناجائز ہو گئے اور ان دوسرے طریقوں سے تبلیغ کرنا ادائے فرض تبلیغ کے لئے نا کافی ہو گیا۔ بلکہ جس صورت سے بھی احکام پہنچا دیئے جائیں فریضہ تبلیغ ادا ہو جائے گا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سفر تبلیغ بھی فرماتے تھے، قبائل میں تبلیغ کے لئے اور نو مسلموں کو احکام اسلام کی تعلیم کے لئے حضور ﷺ صحابہ کرام کی جماعتوں کو بھیجتے تھے، ہر معونہ کا واقعہ جس میں (۷۰) ستر صحابہ شہید ہوئے وہ تبلیغ کے لئے ہی روانہ فرمائے گئے تھے، مگر بہت صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم! جمعین مسجد نبوی میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور جو وہاں آتا تھا ان کو تعلیم دیتے تھے۔ تو دونوں کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم! جمعین سے منقول ہیں، مساجد میں حلقہ درس کا قیام عہد نبوی ﷺ اور بعد میں بھی جاری تھا۔ اور تبلیغ کی یہ بھی ایک بہترین صورت تھی جس کی ترقی یافتہ شکل اس وقت مدارک دینیہ ہیں۔

غرضیکہ خطاب خاص کے ذریعہ تعلیم احکام اور تبلیغ کا رواج بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد و زمانہ میں جاری تھا۔ اور عام خطاب کے ذریعہ بھی جس کو عطا کہتے ہیں، تبلیغ ہوتی تھی۔ حضر اور سفر میں تبلیغ ہوتی رہتی تھی، نہ تو عام طور سے تبلیغ کرنے والے خاص خطاب سے تبلیغ کرنے والوں پر طعن کرتے تھے، نہ بالعکس، ہر شخص اپنا اپنا کام کر رہا تھا۔

اب یہ بات اس زمانہ میں عام ہو گئی ہے کہ ہر شخص جس طرز کو اختیار کرتا ہے اس طرز پر سب کو جمع کرنا چاہتا ہے۔ اور حق کو اسی ایک طریق میں منحصر کر دیتا ہے، یہ غلو اور زیادت فی الدین ہے، یہ تو اس وقت ہے جبکہ موجود طرز سے کسی واجب شرعی کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو اور اگر اس قسم کے سفر سے کسی واجب شرعی کے ضیاع کا خوف ہو تو پھر اس سے اجتناب ضروری ہے، جیسا کہ ایسی حالت میں علم دین کی طلب کے لئے بھی سفر کی اجازت نہیں دی گئی، واللہ اعلم۔

باقی کسی خاص عمل میں خاص وجہ سے فضیلت کا آجانا ممکن ہے، اس کو فضیلت جزئی کہتے ہیں۔ جب تبلیغ کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں تو اگر یہ احرام بت ہو تو سب صورتوں کے لئے ہوگا میرے خیال میں یہ عرض سب سوالوں کے جواب کے لئے کافی ہوگی، اگر کوئی بات قابل جواب رہ گئی ہو پھر پوچھ لیں۔ اور دوسرے محققین زمانہ سے بھی استفسار کر لیں، مثلاً مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ وغیرہ۔

فقط

۲۳ محرم الحرام ۱۴۸۵ھ



مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

## تعارف و تبصرہ

ماہنامہ کتاب: تذکرہ حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ مؤلف: مفتی عبدالغفور ترمذی قدس سرہ  
 ناشر: المکتبۃ الاسلامیہ جامعہ اشرفیہ مسلم ناؤن فیروزپور روڈ لاہور صفحات: ۴۶۱  
 بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہرگز نمیردا نکہ دلش زندہ شد عاشق ثابت ست بر تہ پیک عالم دوام ما  
 بعد از احمد ز الصلوٰۃ ما ظہرین با حکمین کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس وقت جو کتاب آپ  
 کے ہاتھوں میں ہے وہ ایک ایسی عظیم ہستی ایسی عبقری شخصیت کا مبارک اور خوشگوار تذکرہ ہے جو شریعت  
 و طریقت کی امام بھی اور منقول و معقول کی جامع بھی آپ کی ذات گرامی کو حق تعالیٰ نے علم و عمل نیز  
 ظاہری و باطنی محاسن کا مرکز بنایا تھا۔

آپ اگر ایک طرف جید عالم دین شیخ الحدیث مسند درس کے صدر نشین تھے تو دوسری طرف  
 شریعت و طریقت کے جامع بے مثال مربی شیخ وقت ہونے کے ساتھ ملک و ملت کے عظیم رہنما اور  
 سیاسی زعماء کے رئیس اور قائد بھی تھے۔

بلاشبہ ایسی جامع اور با کمال ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں کہ جنہیں تمام علوم و فنون  
 اور ملکی و ملی اور سیاسی میدان میں امامت کا درجہ حاصل ہو کسی نے سچ کہا ہے۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد  
 ایسی مادرہ روزگار جامع کمالات ہستیاں ”آفتاب آمد دلیل آفتاب“ کا مصداق ہیں اور ان  
 کی تحسین تعریف و توصیف۔

مادح خورشید مادح خود است

کے زمرہ میں آتی ہے۔ لیکن ہمیشہ سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ حسین صادقین اور لائق تلامذہ مخلص  
 احباب اور خدام اپنے محبوب شیخ اور استاذ محترم اور روحانی والد مربی اور شیخ طریقت کے احوال و معارف  
 نیز ان کے علمی کمالات مآثر کا تذکرہ کر کے جہاں خود اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں وہیں دوسروں

کو بھی شاد کام اور محفوظ کرتے ہیں۔

ولقد صدق العارف الرومی حیث قال۔

یا دیاراں یا ررامیموں بود خاصکوں مچنوں واپس لیلی بود

وقال علیه الصلوة والسلام: المرء مع من أحب ومن أحب شيئا أكثر ذكره۔

آپ کی ذات گرامی کے بارے میں بھی یہی ہوا کہ بہت سے اہل علم و قلم نے مضامین

مقالات اور تذکرے مرتب کئے اور آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی مگر بمصداق۔

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکره

هو المسك ما كررته ينضوع

آپ کے مبارک حالات علمی و قومی خدمات پر مشتمل مقالات و مضامین کا سلسلہ جاری ہے

اور حسب تقاضائے زمان جاری رہے گا پھر ظاہر ہے کہ لکھنے والوں نے پسپا کل اناء بشر شجیع و عا

فیہ آپ کی شخصیت کے اسی پہلو کو اجاگر کرنے پر زور دیا ہے جو ان کی نظر میں زیادہ تر قابل ذکر تھا، ایسی

جامع کمالات شخصیات کے تذکروں میں ایسا ہونا ایک فطری امر ہے یہ کوئی باعث تعجب اور قابل

اعتراض بات نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا اپنا اپنا ذوق ہے اور ذوق کا اختلاف کوئی بری چیز نہیں، ذوق نے

کیا خوب کہا ہے۔

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اگرچہ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ اس طرز عمل سے بعض اوقات صاحب تذکرہ کے اصل

کمالات یا اس کی زندگی کا مرکزی نقطہ نگاہوں سے اوچھل ہو جاتا ہے اور یہ چیز حقیقت بین نگاہوں پر

گراں اور حقیقی اوصاف و کمالات کے خواہاں افراد کیلئے ہمیشہ باعث تشویش رہتی ہے، حضرت اقدس شیخ

العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے متعلق لکھے جانے والے اکثر مضامین و مقالات

کتاہیں اور تذکرے چند ایک کے سوا زیادہ تر اسی نوع پر مشتمل ہیں، اس لئے وقت کی انتہائی ضرورت

تھی کہ آپ کی حیات طیبہ کے متعلق ایسا جامع تذکرہ مرتب کیا جائے جس میں آپ کے سوانحی خاکہ کے

ساتھ تذکرہ کے مرکزی نقطہ علمی روحانی کمالات (جو آپ کے تذکرے کی اصل روح ہے) کو اجاگر کیا



جائے اور ساتھ ہی آپ کے سیاسی مقام اور علماء عصر سے اختلاف کو بھی نہایت اعتدال کے ساتھ بیان کیا جائے۔ آج کل چونکہ اس سلسلہ میں افراط و تفریط کچھ زیادہ ہی دیکھنے میں آرہا ہے جس کا دائرہ عوام سے بڑھ کر خواص تک پہنچ رہا ہے جو کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے، شاید اس کی ایک وجہ اختلافی امور میں راہ اعتدال کا فقدان اور اصل کمالات عالیہ و عملیہ سے انماض بھی ہے، اس لئے آں حضرت موصوف قدس سرہ کے متعلق ایسے جامع تذکرہ کی ضرورت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے، چنانچہ والد گرامی حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب رندی مدظلہم تلمیذ رشید حضرت اقدس مدنی نے اپنے استاذ محترم قدس سرہ سے محبت و عقیدت کی بنا پر اس مازک موضوع پر قلم اٹھایا اور وقت کی اس ضرورت کو کما حقہ پورا فرما کر شاگردی کا حق ادا کر دیا جزاءہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء، والحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت والد صاحب مدظلہم خود بھی ایک جامع شخصیت کے مالک ہیں آپ بیک وقت جید عالم دین، مفسر، محدث، فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت و طریقت کے جامع ہیں اور ملکی و سیاسی معاملات میں بھی ایک خاص بصیرت رکھتے ہیں پھر حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے مسٹر شد اور شیخ الحدیث علامہ ظفر احمد عثمانی اور حضرت مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہما کے خلیفہ ارشد ہونے کے ساتھ شیخ العرب والعجم حضرت مدنی کے تلمیذ رشید بھی ہیں، دارالعلوم دیوبند میں زمانہ طالب علمی دو سال آپ سے خوب استفادہ بھی کرتے رہے اس طرح آپ سلسلہ اشرفیہ اور حسینہ مدنیہ کیلئے ایک جامع شخصیت ہیں، ایسے جامع تذکرہ کیلئے ایسی ہی جامع شخصیت کی ضرورت تھی حضرت کا اس عنوان پر قلم اٹھانا کوہِ حق بخت و ار رسید کا مصداق ہے آپ کے قلم سے اس کتاب کا لکھا جانا افراط و تفریط کے اس دور میں بلاشبہ مسلک اعتدال کی عملی مثال ہے، وافیٰ ذلک فایضاً فس المتنافسون۔ حضرت والد صاحب مدظلہم نے اکابر کے اختلافی مسائل کو جس معتدل انداز سے بیان کیا ہے اس سے تھانوی مدنی کے عنوان سے بلا جواز پیدا کی جانے والی تفریق نہ کہ تقسیم کی حقیقت بھی سامنے آ جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت اقدس مدنی قدس سرہ کے علمی روحانی کمالات اور بلند پایہ سیاسی مقام سے متعلق ایسے تذکرہ کی اہمائی ضرورت تھی جس میں اعتدال کے ساتھ ان امور پر روشنی ڈالی جائے، محمد

اللہ تعالیٰ یہ ضرورت اس تذکرے سے بخوبی پوری ہو رہی ہے۔ ضمناً و تبعاً من قبیل الشیء وبالشیء  
یذکر حضرت مدنی کے علاوہ دیگر اکابر کے پاکیزہ احوال اور مرکز رشد و ہدایت دارالعلوم دیوبند کی مختصر  
تاریخ اکابر کی جامع سوانح نے نور علی نور کا سما پیدا کر دیا ہے۔ امید ہے کہ انصاف پسند طبائع کیلئے یہ  
تذکرہ باعث مسرت ہوگا اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازیں اور اس کے نفع کو عام و نام فرمادیں۔ آمین  
اظہار تشکر و دعا

ما سپاسی ہوگی اگر حضرت اقدس والد گرامی دامت برکاتہم و تہم و دت فیوضہم کا شکر یہ ادا نہ کیا  
جائے جنہوں نے پیرانہ سالی، مسلسل امراض، ہجوم افکار کے باوجود یہ عظیم تفصیلی تاریخی اور جامع تذکرہ  
تحریر فرمایا، دیگر حضرات کے ساتھ احقر نے بھی حضرت مدظلہم سے اس کی درخواست کی تھی اس لئے  
احقر دل سے شکر گزار ہے جزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء و اطلال اللہ بقائہ علینا و نفعنا  
بعلومہ و متعلاتہ غیوضاتہ و برکاتہ آمین۔

احقر سلطان القلم پیر طریقت حضرت سید نفیس شاہ صاحب مدظلہم جانشین حضرت مولانا  
عبد القادر رائے پوری قدس سرہ کا بھی شکر گزار ہے جنہوں نے سرورق کیلئے وقت عنایت فرمایا۔  
برادر مکرم صاحبزادہ جناب مولانا ارشد عبید صاحب زید مجدہم خلف الرشید حضرت مولانا عبید اللہ  
صاحب مدظلہم ماظم جامعہ اشرفیہ لاہور کا بھی احقر ممنون ہے جنہوں نے نہایت اصرار سے بعد خوشی اس  
تذکرہ کو شائع کیا۔

عزیزم مولوی محمد صدیق سلمہ اللہ تعالیٰ مدرس جامعہ حقانیہ ساہیوال (سرگودھا) نے نہایت  
محنت و جدوجہد سے اس کی کتابت و تصحیح کا کام بڑی رغبت و خوشی سے سعادت سمجھ کر کیا۔ حق تعالیٰ دارین  
میں ان کیلئے اس کو باعث فوز و فلاح بنائے، آمین۔ اور دیگر تمام معاونین کیلئے بھی بندہ دل سے دعا گو  
ہے اور سب سے اپنے لئے فلاح دارین کی دعا کا خواستگار ہے۔ فقط الداعی والمستدعی

احقر سید عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ



## اخبار الجامعہ

۳۵ صفر المنظر: جامعہ میں تقریب تکمیل حفظ قرآن کریم کا انعقاد ہوا جس میں صدر جامعہ نے خطاب فرمایا اور مدارس میں قرآن کریم کی تعلیم و تدریس کی اہمیت اجاگر فرماتے ہوئے تلاوت قرآن کی ترغیب دی۔

۳۶ صفر المنظر: صدر جامعہ نے جامعہ فتحیہ امدادیہ سلا نوالی میں ماہانہ درس قرآن کریم دیا۔  
۴۱ ربیع الاول: صدر جامعہ نے جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے طلباء میں اصلاحی بیان فرمایا، اس کے علاوہ ایک مسجد میں بھی درس دیا۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ پہلوی اور حضرت مولانا عبداللہ رحیم اللہ تعالیٰ کے مزارات پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھی۔

۵ ربیع الاول: صدر جامعہ نے عزیز شہید شجاع آباد میں بیان فرمایا اور خطبہ جمعہ دیا۔ والہی پردار العلوم عید گاہ کبیر والا میں مفصل بیان فرمایا۔

۶ ربیع الاول: صدر جامعہ کا فجر کے بعد کبیر والا میں مولانا حفیظ اللہ صاحب کی مسجد میں درس ہوا۔ خانوالہ میں بزم اشرف کے ایک روشن چراغ مولانا عبدالجبار پٹوئی قدس سرہ کے مزار پر ایصال ثواب کیا۔

۹ ربیع الاول: جامعہ میں حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب مدظلہم شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم عید گاہ کبیر والا کا بصیرت افروز بیان ہوا، جس میں حضرت نے غیبت و تجسس کی شناعیت اور وساوس کی حقیقت ارشاد فرماتے ہوئے ان کا شافی علاج بیان فرمایا۔

۱۴ ربیع الاول: صدر جامعہ نے گنجیال، مدرسہ اسلامیہ امدادیہ جوہر آباد اور مدرسہ تعلیم القرآن حقانیہ روڈ و سلطان میں اصلاحی بیانات فرمائے۔

۱۶ ربیع الاول: جامعہ میں محترم جناب حضرت شبیر احمد کا کاخیل صاحب کا فکلیات کے موضوع پر بیان ہوا۔ صدر جامعہ نے مدینۃ العلوم سرگودھا میں دارالقرآن کاسنگ بنیا درکھا اور دعا کرائی۔  
۳۵ ربیع الاول: صدر جامعہ نے دارالعلوم فتحیہ احمد پور شرقیہ میں طلباء سے خطاب فرمایا۔

۲۶ ربیع الاول: صدر جامعہ مدرسہ انوریہ حبیب آباد طہروالی تشریف لے گئے اور علماء کرام سے ملاقات کی۔ چنی کوٹھ اور رحیم یار خان میں اصلاحی بیانات فرمائے۔

۲۹ ربیع الاول: جامعہ کی شاخ جامع مسجد زینب میں جلسہ سیرت النبی ﷺ سے حضرت علامہ عبد الحمید صاحب تونسوی مدظلہم اور صدر جامعہ نے خطاب فرمایا۔



# کوہ طور

ہر چند جلوہ گاہِ رخِ کبریا ہے یہ  
موسیٰ کے ذوقِ دید کا بھی

منتہا ہے یہ  
ماز و ادائے حسن کی اک یادگار ہے  
راز و نیازِ عشق کا اک سلسلہ

ہے یہ  
دم توڑتی امنگ کو پیغامِ زیت ہے  
بجھتے ہوئے دلوں کیلئے

آسرا ہے یہ  
مشتاقِ دید کیلئے اک سنگِ میل ہے  
ما آشنائے رہ کیلئے رہنما ہے

یہ  
لازیم اس کے فزّے ستاروں کا رشک ہیں  
رفعت میں آسماں سے بھی کچھ

ماورا ہے یہ  
ایثار کا سبق ہے محبت کے باب میں  
سچ ہے کہوں جو اس کو ”عہدِ وفا“ ہے

یہ  
اہلِ دل و نظر میں ہے اب تک بھی سر بلند

آخر کو حسن و عشق کا محل

رہا ہے یہ تشبیہ سے بلند ہے تمثیل سے ورا  
جو کچھ کہا ہے اس سے بہت کچھ

سوا ہے یہ تیکنِ فہیم! آج ہر اک فرد کیلئے  
ہر سمت سراٹھاتی ”نوائے

خدا“ ہے یہ اب روشنی ملے گی نہ کچھ ”کوہ طور“ سے  
دنیا اجال! اسم محمد کے  
نور سے